UNIVERSAL LIBRARY
OU_224987
UNIVERSAL LIBRARY

OUP—391—29-4-72—10,000.

U OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۲۹۴۵ ق صل   Accession No. U2197 ۲۱۹۷

Author صبغت اللہ

Title القول السدید

This book should be returned on or before the date last marked below.

HARVARD COLLEGE LIBRARY UNIVERSITY

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ

در کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

اَلْقَوْلُ السَّدِيد

از

مولوی سیّد صبغۃ اللہ صاحب

بسعی خادم التوحید محمد عبد الوحید

مطبوعہ شمس المطابع مشین پریس نظام شاہی روڈ حیدر آباد

۱۳۵۲ھ

باراول | قیمت صرف ۸ | (۱۰۰۰) جلد

معذرت

کسی امر میں عجلت بھی ایک بری بات ہے فقیر نے اپنے خیالات کو ایک مسودہ کی شکل میں تیار کر رکھا تھا۔ نیت یہ تھی کہ اوس کی تبیض کے بعد یہ تحریر حضرت پیر و مرشد مدظلہ العالی کے ملاحظہ کا شرف حاصل کر کے غلطیوں سے پاک ہو جائے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ کیوں ایسا ہوا، کہ ایک دن اخویم محمد عبد الوحید صاحب نے مسودہ لیکر حوالۂ پریس کر دیا جسکی وجہ سے بعض امور کی اصلاح نہ ہو سکی۔ ایک تو مضمون میں بعد نظر ثانی کوئی چستی نہ پیدا کی جا سکی۔ دوسرے یہ کہ طباعت کے موقع پر کافی فرصت نہ ہونیکی وجہ چند غلطیاں طباعت میں رہ گئیں جنکو دور نہ کیا جا سکا۔ تیسرے یہ کہ مضامین کی ترتیب میں کوئی دلچسپی نہ لیجا سکی۔ بڑا افسوس اس امر کا ہے اور رہیگا کہ حضرت مدظلہ العالی کے ملاحظہ سے یہ تحریر قبلِ طباعت محروم رہی۔

ارباب ذوق سے عرض ہے کہ سہو کو نظر انداز فرمائیں۔ چونکہ تحریر ہذا توحید وجودی سے متعلق ہے پس فقیر نے اس مسئلہ کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے اس حقیر تحریر کو کسی تقریظ کا محتاج نہ سمجھا۔ "حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را" خدا کرے کہ اس تحریر کے مطالعہ سے عوام و راقم منتفع ہو۔ و اٰخر دعوٰنا عن الحمد للہ رب العٰلمین۔

فقیر سید صبغۃ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی اخرج العالم من ظلمات العدم ونور قلوب المومنین بنور معرفتہ بالجود والکرم و الصلوٰۃ علیٰ نبینا المحترم الذی مفخر بسیادت العرب والعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ وسلّم

امّا بعد قال اللہ تبارک وتعالیٰ یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔ (پ ۶ رکوع ۱)

قبل ازیں کہ آیتہ متبرکہ پر اس کے ترجمہ کے بعد کچھ خیالات کا اظہار کیا جائے تمہیداً اس کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیش ہو کہ اس مختصر سی تحریر میں خادم الفقرا کس امر کو پیش کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ حضرات جو ذوق رکھتے ہیں اس کے مطالعہ کے لئے تیار ہو کر مطالعہ فرما سکیں اور

فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اُس کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کرلئے اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی آغوش فضل و رحمت میں لے لیتا ہے یا داخل کر لیتا ہے۔ یہ ہوئی خوش خبری۔ فائدہ کی اطلاع یا بشارتِ اولی۔

۴۔ وَیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن ایمان والوں کی ایک راہ راست کے ذریعہ رہبری فرماتا ہے۔ یہ ہے بشارتِ ثانی۔

اب ہم آگے سمجھنے کے لئے ایک ایک پر علیحدہ علیحدہ غور کرینگے اور دیکھیں گے کہ اسطرح غور کرنے سے ہم کہاں پہنچتے ہیں وباللہ الاستعانۃ۔

خطاب۔ یہ امر معروف عوام ہے کہ خطاب وہ الفاظ ہیں جن سے مخاطب کا یہ مقصد ظاہر ہوتا ہے کہ مخاطب اوس کی طرف توجہ کرے اور اوس کے کہنے کو سنے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خطاب کرنیوالے یا پکارنے والے کے سارے توجہات مخاطب کی طرف مبذول و منعطف ہیں۔ جائے غور ہے کہ ایک طرف تو ایسی ذات بے نیاز ہے کہ وہ ہر شے کے ہونے نہ ہونے، ہر فرد کائنات کی فلاح و بہبودی یا تباہی و نابودی سے بالکل بے نیاز ہے اور اس امر کی فکر اوس پر واجب نہیں اور وہ اس سے مستغنی۔ اور ایک طرف ایسی ذات ہے کہ ہر بات سے عاجز۔ ہر امر میں اوس ذات کامل و قدیم اول الذکر کی محتاج و مفتقر۔ ذات اول الذکر ثانی الذکر کی ہر خواہش کے لئے کافی و کامل اور اوس کی ہر طلب میں مطلوب اور اوس کے تمام مقاصد

کی ایک مقصود ہے اوس کی ہر قسم کی حاجت روا اور ہر تشنگی کو بجھانے والی۔ مگر اوس کے خواہشات وطلب مقاصد وحاجات سے بالکل لاپرواہے۔ اور ثانی الذکر کا یہ حال ہے کہ وہ جناب حافظ شیرازی کی زبان سے کہرہی ہے

غرورِ حسن اجازت مگر نہ داد اے گل
کہ پرسشے بہ کنی عندلیبِ شیدا را

اس کس مپرسی کے عالم میں اوس کی اس بیتابی والتجا کی میں اُس ذات بے نیاز نے توجہ کی اور اوس کو مخاطب کیا تو کیا ایک جسد بے جان میں جان نہ آگئی۔ اگر یہ سچا شیدائی ہے تو کیا اوس کی آنکھوں میں یہ آسمان اور یہ زمین سماتے ہوں گے۔ کیا اوس کو سوا اس کے کسی اور شے کی خواہش تھی۔ اگر یہی توجہ کرنا اور اگر اپنی لب لعل شکرفشاں کا کھلنا اس کا مطلوب ومقصود تھا تو اس سے بڑھ کر کوئی اور دولت ہوسکتی ہے جس سے وہ متمتع ہوسکتا تھا۔ نہیں یہی وہ دولت تھی جس سے وہ ذات عاجز ومفتقر مالامال ہوسکتی تھی۔ پس اس ذات علیم وعلام نے جب اپنی طرف محتاجوں کی عمومیت دیکھی تو ایک ہی آن میں ایک ہی خطاب عمومی سے سب کو مخاطب کرکے خوش کردیا۔ سب کی استعداووں کا اوس کو ازلی علم تھا مگر احتیاج سب کی مشترک وعام تھی اسلئے ارشاد فرمایا "یَا اَیُّھَا النَّاسُ" اے لوگو!۔

یہاں اس امر کا ذکر بھی غیر ضروری نہیں ہوگا کہ خطاب کے تحت یہ کہا جائے کہ خطاب بعض وقت اس سے اچھے اور محبت بھرے الفاظ میں بھی ہوا کرتے ہیں جس کو رحمت سمجھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ الفاظ رحمت

کو ظاہر کرتے ہیں مگر معمولی خطاب بھی رحمت سے خالی نہیں۔ ایک ذات جو اپنے آپ مستغنی ہو اگر ایک محتاج و مفتقر ذات کی طرف کسی وجہ اور کسی طرح بھی متوجہ ہو تو نفس توجہ اوس کی رحمت ہے ذاتِ مفتقر و محتاج توجہ کے لئے۔ اب رہا کہ الفاظ کیسے ہیں؟ یہ باعتبار مدارج ہوں گے مگر مطلب تو حقیقت میں سب کا ایک ہی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ بعض وقت مخاطبت کے الفاظ اور اون کا لہجہ غضبناک سمجھ میں آتا ہے۔ یہ تو صرف اعتبار ہے۔ اس کے علاوہ اگر غضب ناک ہے بھی تو اس سے مراد عبرت ہوتی ہے اور عبرت رحمت سے جدا نہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی۔ اگر غضبناکی بھی ہے تو اوس شخص کو اس سے کیا مطلب کہ وہ غضبناک ہے یا محبت سے پُر کیونکہ چاہنے والا تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تو جو وہ کرے جو اُس کا دل آرام ہے۔ اور زبان سے کچھ وہ کہے جو اس کا محبوب ہے خواہ کچھ ہی ہو۔ وہ شخص کو دیکھتا ہے اوس کے افعال پر خیال نہیں کرتا۔ چونکہ اوس کی محبت کا مرجع اصلی ذات و ہستی محبوب ہے پس محبوب کی تلخ باتیں اوس کے لئے شکر پارے ہیں اور معشوق کی مار عاشق کا پیار مطلوب کی گالی طالب کے لئے دعا ہے جیسا کہ ایک عاشق مولےٰ کا قول ہے:۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

تا بایں حد وہ خیالات تھے جو ظاہری زاویۂ نگاہ میں آسکتے تھے۔ مگر

موحدین کا اس جگہ ایک اعتراض ہوتا ہے اوس اعتراض کے جواب کا
تعلق حقیقتاً مسئلہ زیر بحث سے ہے اور اس خطاب سے تو گہرا ہے اس
کے بعد تو یا اَیُّھَا النَّاسُ کا اصلی مفہوم یعنی معانی حاصل ہو جاتے ہیں
قبل اس کے کہ موحدین کا اعتراض پیش کیا جائے فقیر احقر اس کو مناسب
سمجھتا ہے کہ اوس سے متعلقہ بعض امور کو پیش کرے تاکہ اوس اعتراض کے
سمجھنے میں عوام کو آسانی ہو۔ موحدین کا عقیدہ ہے۔ انھیں اس کا یقین ہے
گویا وہ مومن اس ہی امر کے ہیں کہ سارے افراد کائنات توحید وجودی
کے رشتہ بیقیاس کی بیعد و عقود یعنی گرہ ہیں۔ تو گرہ اور رشتہ میں سوا تعین
کے اور کسقدر فرق ہے یہ ظاہر ہے۔ پس اسی طرح وہ لوگ خدا اور بندے
میں باعتبار وجود کوئی فرق نہیں جانتے اور اوس سے اون حضرات کے
دماغ میں کبھی کبھی غلط اور بے اصل خیالات پیدا ہو کر انھیں پریشان کیا
کرتے ہیں۔ اس میں بعض وقت ایسے خیالات بھی پیدا ہو جایا کرتے ہیں
جو بظاہر سبز باغ نظر آتے ہیں اور حقیقت میں جہنم کی رہبری کرتے ہیں۔ مگر
افسوس کہ اون حضرات کے ذہنوں میں جنت و دوزخ بھی کوئی چیز باقی
نہیں رہتی۔ جب ہی تو انھیں جرأت ہوتی ہے کہ وہ کسی مسئلہ کو جیسے چاہیں
سمجھ لیں اور جو چاہیں طے کر لیں۔ یہاں جلال کو زیادہ دخل ہوتا ہے وہ
اونکی رہبری کرتا جاتا ہے۔ وہ شیطانی رہبری ہے تشیطن کی طرف لیجاتی ہے
میں اس کو مانتا ہوں کہ ہر شخص اپنی قابلیت و استعداد کے تحت سب کچھ
کرتا ہے۔ پھر مجھ پر یہ سوال ہوگا کہ اس تحریر کی زحمت کیوں اٹھائی جا رہی

ہے۔ اس کا سبب تو پہلے ہی اوراق میں ذکر کر دیا گیا اور یہ بھی سبب ہے
کہ جیسے ہر انسان اپنے یا دوسرے انسانوں کے استعدادات و قابلیتوں سے
واقف نہیں ہوتا۔ جوں جوں واقعات ہوتے جاتے ہیں اور اعمال کا صدور
ہوتا جاتا ہے اپنے قابلیات کا اور علم الٰہی کا علم اوس کو ہوتا جاتا ہے تو معلوم
ہوا کہ ہر انسان آئندہ ہونے والے امور سے جو معلومۂ الٰہیہ ہیں ناواقف ہوتا
ہے تو یہاں یہ سبب بیان کیا جا سکتا ہے کہ مجھے چونکہ عوام کے استعدادات
کا علم نہیں ہے اس امید پر کہ شاید اکثروں کی قابلیت ایسی ہو کہ وہ محتاج
ہدایت ہو اور یہ منفعت بخش اخواں ثابت ہو میں تحریر کر رہا ہوں۔ چنانچہ
انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بھی ہدایت فرمائی تو اسی خیال سے۔ اور جہاں
اونھیں منجانب اللہ روکدیا گیا وہاں چپ ہو رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ
بھی عرض کیا جا سکتا ہے کہ فاعل حقیقی ہر فعل کا جب اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ
اوس کے ہر فعل کا آلہ ہے اور سارا علم اس تحریر کا اور اس کے مفاد و مضار کا
اوسی کو ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا علم اسی امر کو چاہتا ہے کہ اوس کا ظہور ہو
یعنی خصوصیت و فطرت علم الٰہی کی یہ ہے کہ وہ ظاہر ہوا کرے اور ظاہر ہو کر رہے
تو اس تحریر کے ظہور کا سبب اللہ سے پوچھنا چاہئے نہ کہ آلہ سے۔ جب یہ مان
لیا جاتا ہے کہ فاعل حقیقی حضرت علیم و علام ہے تو شاید اس فعل سے اوس کا
کوئی منشا خاص ہو۔ یہ فطری بات ہے کہ کوئی امر جو صورت فعلی حاصل کر لیتا
یا قوی سے فعل کی شکل لے لیتا ہے تو بلا اس کے کہ وہ کسی نتیجہ مقدرہ کے لئے
ہو نہیں ہوتا۔ اس سے اچھی طرح یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جناب باری کے

علم میں اس فعل کا کسی نتیجۂ مقدرہ کے لئے کیا جانا ہوگا۔ جبھی تو یہ فعل فعلی حالت اختیار کیا۔ ہم اوپر کہتے ہوئے آرہے ہیں کہ اس مقام پر "موحدین کا اعتراض پیش ہوتا ہے" اور پھر دوسری بحث چھڑ گئی۔ چنانچہ دوسطر اوپر تک جو بحث آئی ہے وہ یہی ایک اعتراض اور اوس کا جواب تھا۔

موحدین کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب مقام جمع الجمع ہے۔ عینیت حقیقی ہے اور سب کا وجود ایک یعنی عبد و رب میں باعتبار وجود کوئی فرق نہیں تو یہاں خطاب کرنے والا کون اور مخاطب کون اور وجہ خطاب کیا۔ اور عوام غیر محققین و غیر موحدین کے لئے قرآن و شریعت اور اوس کی پابندی اور خطاب وغیرہ ضروری تھا کیا گیا۔ اس کا موحدین اور محققین سے کیا تعلق؟

یہ اعتراض تو اون لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوا کرتا ہے جو مبتدیان توحید ہیں۔ میں ان معترضین کو محقق و موحد نہیں سمجھتا۔ یہ ناقصین ہیں موحدین کاملین کی یہ شان نہیں ہوا کرتی اور نہ ہونی چاہیئے۔ تحریر ہذا کے تمام تر مطالعہ سے اچھی طرح واضح و روشن ہو جائے گا کہ یہ ناقصین کیسے ہیں اور کیوں انھیں ناقصین کہا گیا۔

بات یہ ہے کہ ذات عبد معدوم الحقیقت تھی ناقص تھی اوسکے سارے صفات ناقص تھے۔ علم الٰہی میں اس ذاتِ عبد کے جو افعال و صفات ثابت تھے اون کا عمل میں آنا، ظہور پذیر ہونا عبد کی ذات سے محال تھا تو حضرت شاہ وجود جناب باری عز اسمہٗ نے خود بکمال مرحمت عمومی۔ اسکو

گوارا فرما کر خود جلوہ فرمائے عالم ہوئے تو صور و اشکال اعیان میں اور سارے کاروبار جو عبد کے تھے اور حضرت جل سبحانہ کے علم میں ثابت تھے انھوں نے اپنے لئے گوارا فرمالیا اور خود اوس کو کرنے لگے۔ بجز اس کے کہ عالم ہوتا اور عباد ہوتے کائنات ساری ہوتی۔ حضرت جل وعلی کی شہرت بلا عالم ممکنات کے ممکن کیسے تھی کسی اہل باطن نے کیا ہی بہتر ارشاد فرمایا ہی:

ظہورِ تو بمن است و وجودِ من از تو
فَلَسْتَ تَظْهَرُ لَوْلَایَ لَمْ اَکُنْ لَوْلَاكَ

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہوتا ہے ؎

فَلَوْلَاہُ وَلَوْلَانَا   لَمَا کَانَ الَّذِیْ کَانَا
فَاِنَّا اَعْبُدُ حَقًّا   وَاِنَّ اللّٰہَ مَوْلَانَا

حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہوتا ہے ؎

اپنے وجود میں جوں محتاجِ حق ہے خلق
مشتاقِ خلق حق بھی ہے اپنے ظہور میں

ایک اور جگہ ذاتین کے مابینی تعلق کو ظاہر کرتے اِسی مطلب کو اِس طرح ادا فرمایا ہے ؎

رَبّ عبد و عبد رب ہے دلے یہ سخن کمال
موجِب حقیقتین کے نہیں انقلاب کا

حدیث قدسی ہے۔ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِکَیْ اُعْرَفَ۔ حضرت جناب باری عزاسمہ کو اپنی شہرت منظور

ہوئی تو آپ نے خلق کو اپنی شہرت کی خاطر پیدا کیا۔ خلق کرنا یا پیدا کرنا ایک ایسا امر ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بجز اس کے سمجھے ہوئے مسئلہ توحید کا حل محال ہے۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عبد کی ذات ناقص الصفات تھی اور جو صفات و افعال اوس ذاتِ عبد کے جناب باری عز اسمہ کے علم میں ثابت تھے وہ ایسے نہ تھے کہ جن کا ظہور ذات عبد سے درانحالیکہ وہ ہے ہو سکتا۔ جب حضرت باری کو اس کا علم تھا کہ ذات عبد سے اون صفات و افعال ثابتہ علمِ الٰہیہ کا ظہور محال ہے تو آپ نے خود اپنے لئے یہ تکلف گوارا فرمایا کہ عباد کے صور و اشکال لیکر عباد کے بجائے اون افعال و اعمال کو کرے اور اون صفات کا ظہور ہو اور عبد کی حیثیت سے رب کی تجلیات اور اسکی معرفت و شہرت ہو۔ ؎

چوں برائے شہرتِ خود آمدیم در ایں صور
عبد خود کردیم خود را خوئے او را خوئے ما

اس طرح صور و اشکال کا لینا کمال قدرتِ الٰہیہ ہے۔ اس کو کہتے ہیں کائنات یا عالم کا پیدا کرنا۔ یا اوس کی تخلیق۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو فقیر کا رسالہ موسوم بہ "قال صحیح"۔

اوس اعتراض کے جواب کا حل یوں ہو جاتا ہے کہ عباد کے افعال و صفات ثابتہ علمِ الٰہیہ جس کو ہم آگے چل کر علمِ الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے ثابت کرکے استعداد و قابلیات عباد کے نام سے موسوم کرینگے قابلیات عباد ہیں تو عبد کا مخاطب کیا جاتا بھی اوس کی قابلیت میں تھا۔ اور ذات باری عز اسمہٗ

نے خطاب کیا۔ مخاطب ذاتِ عبد ہے جو معدوم و مسلوب الوجود ثابت الذات بعلم الٰہی ہے بعض اوامر و نواہی کے مواقع پر بھی یہی اعتراض وارد کیا جا سکیگا اس کا جواب بھی یہی ہوگا یعنی حکم دینے والا یا منع کرنے والی ذات ذاتِ باری عزاسمہ ہے اور مامور ذاتِ عبد۔ چونکہ ذاتِ عبد مسلوب الوجود ہی اور اوس کی شکل و صورت میں اوس کی بجائے حضرت عزاسمہ نے اوس کے افعال و صفات ثابتۂ علمیہ کے ظہور کے لئے ظہور فرمایا ہے۔ تو اگرچیکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ حضرت شاہ وجود خود آمر و مامور ہیں مگر ظہور میں اعتبار عبدیت کا ہے۔ چونکہ امر عبدیت کے لئے ہے پس عبد کی جگہ جو ظہور فرما ہے جو اوس کی شکل و روپ میں ہے اوس کے لئے وہ امر ٹھہرا اور تکمیل استعداد عبد کے لئے ماننا یا نہ ماننا جیسا کچھ حضرت کے علم میں ہو وہ مانتے اور نہ مانتے ہیں ہدایت و ضلالت۔ راہ پر ہونا اور گمراہ ہونا عبد سے تو محال تھا اور حضرت شاہ وجود عبد کی طرح ظہور فرما ہو کر سب اعمال حسب العلم کرتے جاتے ہیں۔ ورنہ انسانی عقل و دانش کا اعتبار کرتے سب سمجھتے اور عقل رکھتے ہیں اور اچھی بری سب جانتے ہیں پھر بھی ہدایت و ضلالت کا ظہور بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ اور بعض اوقات تو یہ بھی ہوتے دیکھا گیا ہے کہ انسان کی نیت تو ایک کام کی طرف ہوتی ہے مگر وہی کام نہیں ہو سکتا بلکہ اوس کی بجائے دوسرا کام ہوتا ہے۔ اگر عبد نماز کا ارادہ کرے اوس کے استعداد ناقص ہوں مذموم ہوں تو وہ نماز نہیں پڑھتا۔ یہ سب یونہی ہو سکا جبکہ حضرت جل شانہ جو علیم و علام بھی ہیں ظہور فرمائے عالم ہوتا کہ اپنے علم کے

موافق تمام استعدادات عبدی و قابلیات ثابتہ علم ایزدی کمالِ ظہور حاصل کرسکیں۔

اب آیئے خطاب یَا اَیُّھَا النَّاسُ یعنی اے لوگو! کے مطلب و معانی کو ذرا حاصل کرلیں۔ یہ اوپر روشن ہوگیا کہ جہاں کہیں قرآن مجید میں خطاب یا امر و نہی ہو وہاں حسب ذیل صورتیں مراد ہونگی:۔

۱۔ خطاب کی صورت میں مخاطِب کی ذات ذات باری ہوگی۔ اور مخاطب ذاتِ عبد ثابت الذات و مسلوب الوجود اور اس کا عملِ مخاطبت وجود حق سبحانہ جو ظہور فرما بصورت عبد ہے باعتبار ظہور مثل عبد خود کرے گا۔

۲۔ امر ہو تو اوس صورت میں حکم دینے والا یا آمر ذاتِ باری ہے اور مامور ذاتِ عبد مسلوب الوجود اور عمل ایجاب یا انکار خود وجود باری اعظم قدرتہ جو ظہور فرمائے عالم ممکنات بشکل و صورت عبد ہے۔ اوس عبد خاص کے قابلیات و استعدادات کے موافق عمل کرے گا۔

۳۔ نہی کی صورت بھی امر کی سی ہے۔ اوپر ذکر آچکا۔

۴۔ اگر بیان ہو تو قائل ذات باری سامع مخاطَب ذات عبد اور حقیقی سامع بظاہر عالم وہی وجود ظاہر بشکل و صورت عباد۔

مخفی مبادکہ سارا قرآن کریم اوس کے خطابات احکامات۔ نواہی و بیانات و قصص وغیرہ کا ہر لفظ موافق استعدادات ظہور و قابلیات عباد

ہیں جو علم الٰہی میں ثابت ہیں یہ قرآن اور اوس کا نزول اور اوس پر عمل و انکار ترک و اختیار سب بلفظ موافق استعدادات و قابلیات عبد و جمیع عالم ہے

اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔

پس معلوم ہو چکا کہ خطاب یَآ اَیُّھَا النَّاسُ کے کیا معنی ہیں اور مخاطب و حقیقی عامل مخاطبت یعنی ظاہر عالم میں مخاطب تو ایک ہی ہے مگر مخاطبت مراد بعد ثابت الذّات و مسلوب الوجود بعلم باری تعالی ہے۔ تو اس کا مطلب یوں ہو سکیگا کہ اے وہ لوگو جو علم الٰہی میں ثابت الذّات تھے ہو۔ اور رہو گے۔ مگر دستور ایسا نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ جناب باری تعالیٰ کا ظہور اظہر من الشمس ہے۔ پھر بھی ہم نہیں سمجھ سکتے اور نہ سمجھنے کے بعد بھی صور و اشکال متعینہ یا فرد صور و اشکال متعینہ کو خدا یا رب کہنے کا دستور ہے۔

اے نواسنج انا الحق ترا دعوےٰ ہے بجا
لیک دستور نہیں قطرے کو دریا کہنا

یہی چیز آئندہ آیات میں ہدایت کرے گی یاد رہے۔

الطعلا۔ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۔ ابھی ابھی تمھارے رب کی جانب سے تمھارے پاس ایک حجۃ آئی اور ہم نے تمھاری طرف ایک نور ظاہر کو نازل کیا۔ قبل اس کے کہ اس کے معانی وغیرہ پر غور کریں اس امر کی ضرورت ہے کہ یہ دیکھ لیں کہ پیش رفتہ خطاب کا اس سے کوئی تعلق ہے یا کیا اور اوس تعلق کے اعتبار سے پیش رفتہ کے معانی کیا ہونگے۔

یہ ظاہر ہے کہ اس اطلاع میں یہ ذکر کیا جا رہا ہے کہ رب کی جانب سے ایک حجۃ یا دلیل آئی اور یہ کہ ایک نور ظاہر کو نازل کیا گیا۔ تو یہ حصۂ آیۃ کریمہ پچھلے حصہ پر روشنی ڈال رہا ہے اور اس اطلاع سے یہ پایا جاتا ہے کہ اطلاع اُن لوگوں کو دی جا رہی ہے جو دلیل اور نور کے اِنتظار میں تھے تو اسکے اعتبار سے اوس کے معانی یہ ہونگے کہ۔ اے وہ لوگو جو علمِ الٰہی میں ثابت الذّات ومسلوبُ الوجود رہے ہو، اب بھی ہو اور آئندہ رہوگے۔ تمھیں حجۃ اور نور کی تلاش تھی تو ابھی ابھی تمھارے رب کی جانب سے تمھارے پاس حجۃ آگئی۔

یہاں اون عباد مخاطب کے استعدادات کی بو آتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ عباد جو مخاطب کئے جا رہے ہیں ایسے تھے کہ جن کی استعداد ہی یہ تھی کہ جب دین پیش کیا جائے تو وہ طالب حجۃ ہوں یعنی وہ حق و باطل میں بلا دلیل وبغیر روشنی کے فرق وتمیز نہ کرسکتے ہوں اور وہ اس وقت مسلوبُ الوجود ہیں مگر اون کی جگہ اون کی شکل وصورت میں وجود واحد نے ظہور کیا ہے اور عمل مخاطبت کی تکمیل خود ہی فرما رہا ہے۔ حضرت مخدوم علی مہائمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر تبصیر الرحمٰن میں ارشاد فرماتے ہیں یَا اَیُّھَا النَّاسُ ای الذین نسوا البرھان القطعی من عقولکم یعنے یَا اَیُّھَا النَّاسُ سے وہ لوگ مراد ہیں جو دلیل قطعی کو اپنی عقلوں سے مٹا دئے اور بھول گئے۔

قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ یعنی تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے ایک دلیل آئی۔ اس کے مطلب کے متعلق میرا خیال ہے کہ برہان سے مراد وہ دلیل ہے جو توحید کو واضح کردے اور مذہب یا دین کی

غایت اصلی یہی ہے کہ توحید کی اشاعت ہو اور سب توحید باری کے یقین کرنے والے ہو جائیں۔ چنانچہ ارسالِ رسل اور انزالِ کتب کا منشا ہمیشہ یہی رہا ہے۔ چونکہ توحید دینِ الٰہی ہے۔ ہر نبی یا رسول ایسے زمانہ میں بھیجا گیا ہے جبکہ تمام عالم پر ضلالت کا ابر چھایا ہوا ہو اور کفر باطل کی آندھیاں چل رہی ہوں۔ ایسے پُر آشوب زمانے میں شرک کے جا بجا ڈنکے بج رہے ہوں۔ چنانچہ جسوقت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں سرزمین عرب کی جو کچھ حالت تھی وہ چار دانگ عالم میں مشہور و شہرۂ آفاق ہے۔ آخر وہ کیا ضرورت تھی جس کی تکمیل کے لئے حضرت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ وہ یہی کہ کعبے کو سینکڑوں بتوں سے بھر دیا گیا تھا اور شرک اس زمانہ کا ہنر ہو گیا تھا۔ بت پرستی کی تاریکی مشرقین پر عبور حاصل کر رہی تھی۔ قریب تھا کہ شرک کی وجہ دنیا تیرہ و تار ہو جائے ایسے زمانہ میں جبکہ چند ہی انسان سارے ربع مسکون میں انبیاء سلف علیہم السلام کی بشارتوں کو لئے ہوئے حضرت رسول مقبول نبی آخر الزماں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور آپ کی تبلیغ کی ضو اور ہدایت کا انتظار کر رہے تھے اور بس۔ اور آپ تشریف فرما ہوئے ہیں۔ پہلی چیز جو آپ کی جانب سے قبائلِ عرب پر پیش کی جاتی ہے تو وہی کلمۂ طیبۂ توحید۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

اس سے روشن ہو گیا کہ دین آتا ہے تو معرفت و توحید کے لئے اور انبیا تبلیغ فرماتے ہیں تو توحید ہی کی۔ چنانچہ اللہ جل جلالہٗ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہیں قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ

كَانَ زَهُوْقًا۔

پس یہاں دلیل وہی حق ہے باطل کے مقابلہ میں۔مفسرین یہاں برہان سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لیتے ہیں یہ بھی نہایت درست ہے مگر یہ واضح رہے کہ انسان جب ظاہر پرست رہتا ہے ابھی اوسے حقایق سے تعلق نہیں ہوتا۔خورشید تابانِ توحید کی طلوع ہوتے ہوئے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تسلیم کی فرحت بخش نسیم میں تیز تیز منور و درخشاں شعائیں اُس کے قلب میں داخل نہیں ہوئی ہیں تو اوس کے لئے برہان سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہے۔مگر جب ذرا بھی اوس کا حقایق سے تعلق ہو جاتا ہے تو وہ برہان سے مراد حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر روشن ہو جانے کو لیتا ہے اور یہ چیز البتہ اوسکو کچھ تشفی بخش سکے گی۔

جب حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کسی قلب پر روشن ہو جاتی ہے تو وہی قلب جو کبھی شب دیجور کی طرح تاریک تھا اب مطلع الانوار ہو جاتا ہے پس ارشاد ہوا وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۔یعنی تمھارا قلب ہمہ تن داغ بنا ہوا تھا اب اوس پر ہماری جانب سے انوار نازل ہونے لگے اور تم اپنے سرور میں کہنے لگے ؎

بیاضِ روئے تو روشن زعارضِ خورشید
سوادِ زلفِ تو تاریک تر زظلمتِ داج

اب جبکہ تمھارے قلب پر انوار کا ہجوم ہو گیا اب تم نوری نور میں ہو گئے تو یاد رکھئے کہیں بھٹک نہ جائیں ذرا بھی لغزش ہوئی تو منافق قلبی بند ہو جائیگے

انوار کا سدِّباب ہو جائے گا۔ اور اگر لغزش نہ ہو اور تواتر انوار کو جاری رکھنے کی سعی کرو تو تمہارے لئے بشارت ہے طُوبیٰ لَھُمْ وَحُسْنُ مَآب۔

بشارت فَاَمَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَفَضْلٍ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اوس کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کر لئے یعنی اپنے ایمان پر اڑے رہے اللہ تعالیٰ اون کو اپنے آغوش رحمت و فضل میں داخل کر لیتا ہے۔

قبل اس کے کہ بشارت پیش کردہ پر کچھ عرض کروں یہ مناسب ہوگا کہ معترضین کا علیٰ سبیل الضرورت یہاں کچھ ذکر کر دوں۔

اوپر کہا گیا ہے کہ بعض معترضین جو اپنے آپ کو موحدین کے زمرہ میں شامل کر کے یہ بتاتے ہیں کہ وہ جسقدر توحید باری عزاسمہ کو بہترین طریقہ میں سمجھے ہیں کوئی دوسرا نہیں سمجھا۔ چنانچہ میرے ایک دوست جو اس مسئلہ کی تلاش میں سارے ہند چین و برما ایران و توران مصر وغیرہ کی چکر لگا چکے ہیں اور جنھوں نے اس کے کمال درجہ حصول کی خواہش سے بلا مبالغہ پچھتر ہندو اور مسلم موحدین کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے۔ غرض یہ کہ تیس چالیس سال سے زائد عرصہ اسی کے پیچھے صرف کر دیا ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ انکی عمر ہی اس کے پیچھے صرف ہوئی ہے مجھ سے فرماتے تھے کہ اون کے پیر بھائی نے اپنی کسی کتاب میں شاید وہ تذکرۂ غوثیہ ہو' تحریر فرمایا ہے کہ " اہلِ اسلام میں اہلِ توحید کا گذر ہی نہیں' اگر ہو بھی تو لاکھوں میں ایک"۔ اگر فی الواقع صاحب موصوف کے پیر بھائی نے اسی طرح تحریر فرمایا ہے تو بس ع جو کفرانہ

کعبہ برخیز د کجا ماند مسلمانی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے خیال میں اسلام توحید سکھانے کو نہیں آیا نہ مسلمان موحد ہو سکتے ہیں اور وہ جن کی سرشت ہی میں اوثان و اصنام سے تعلقات پیدا ہوں اور جن کے لئے ارشاد ہوا لَقَدْ ذَرَانَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۔ وہ ہیں اُن کے خیال میں اہلِ توحید ۔ پس پتہ چل سکتا ہے کہ کتنے زبردست موحد ہونگے

ایک اور دوست سے میری ایک دن گفتگو ہو رہی تھی ۔ انھوں نے اعیان ثابتہ کو عین ذاتِ باری بتایا اور منطقی حیثیت سے اوسکو ثابت کرنے کی کوشش کی ۔ آدمی معمر تھے اور معلومات وسیع رکھتے تھے ۔ انھوں نے فرمایا کہ جعلِ بسیط و جعلِ مرکب یہ دو قسم ہیں جعل کے ۔ اور دونوں قسم جعل آپس میں ایک ہی ہیں یعنی جعلِ مرکب عین جعلِ بسیط ہے البتہ غیریتِ اعتباری واقع ہوتی ہے ۔ ورنہ جو اثر جعل مرکب پر ہوگا وہی اثر جعل بسیط پر ہوگا ۔ اس پر سے میں نے کہا کہ آپ دفتر میں ملازم ہیں مسلوں پر خلاصہ وغیرہ لکھتے ہوں گے ۔ انھوں نے فرمایا ہاں لکھا کرتا ہوں ۔ میں نے سوال کیا آپ کا لکھا ہوا خلاصہ آپ کا جعل مرکب ہے ۔ انھوں نے کہا ہاں ۔ میں نے پھر سوال کیا کہ کیا آپ کے جعل بسیط ہیں ۔ انھوں نے کہا ہاں ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہوگی ۔ انھوں نے کہا ہاں ۔ میں نے پھر عرض کیا مولانا اوس غلط لفظ کو آپ قلمتراش سے نہ چھیلیں اوس کے بجائے آپ اپنے گلے پر قلمتراش کا تیز حصہ پھیرا کریں وہ غلط لفظ صاف ہو جائیگا ۔ اور آپکی تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا ہونا چاہیئے ۔ تو پھر آپ ایسا کیوں نہیں

کرتے۔ وہ بگڑے اور خوب خفا ہوکر کہنے لگے کہ کیا میرے گلے پر ہی چھری پھیرنے بیٹھے ہو۔

یہ ہے بعض مدعیانِ توحید کا حال معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے کچھ توحید کو سمجھا اور منطق سے اس کو رنگنے کی کوشش کی۔ دوسرے مسائل متعلقہ کو سپرد باد کر دیا اور اپنے آپ کو موحد سمجھ گئے اور یوں ہی مشہور کرنے لگے۔

ان چیزوں کو اس لئے پیش کیا گیا کہ احباب پر روشن ہو جائے کہ کس طرح لوگ صراطِ مستقیم توحید پر آکر بھٹک جاتے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے۔ بات یہ ہیکہ راہ توحید ایک سیدھی راہ ہے اس راہ سے مختلف راہیں اوسکی جانبین پر شیطان نے بنالی ہیں جہاں کہیں موقع ملجاتا ہے تو اس راہ کے بھٹکنے والوں کو موڑ لیتا ہے۔ بیشک زعما کے زعم کے موافق وہ بھی توحید کی راہیں ہیں مگر شیطانی توحید کی۔ ابلیسی طرق توحید ہیں۔ محمدی توحید کی راہ سیدھی ہے۔ جو لوگ سیدھی راہ سے بھٹک جاتے ہیں وہ شیطانی توحید کی راہ پر ہو جاتے ہیں اور بہکی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے قابلیات ہیں جبھی تو بشارت سے پہلے جناب باری عزاسمہٗ نے شرط لگا دی۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ یعنی وہ لوگ جن کی قابلیات ایسے ہوں جن کے اعیان واستعدادوں کا اقتضا یہی ہو کہ وہ توحید باری پر محمدی توحید پر یقین کریں اور اوس پر استقامت اختیار کریں اور اڑے رہیں تو ایسے لوگوں پر کیا انعام ہوگا وہ ہے بشارت۔

اب آیئے ذرا بشارت پر غور فرمایئے کہ کس امر کی بشارت دیگئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ فَسَیُدۡخِلُهُمۡ فِیۡ رَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَفَضۡلٍ یعنی ان لوگوں کو جو کہ توحید پر استقامت اختیار کرلیں اور ثابت قدم رہیں خدا تعالیٰ اپنی رحمۃ و فضل میں داخل کرلیتا ہے۔

مفسرین نے رحمۃ اور فضل سے مراد جنت اور انعام و بخشش کے لیا ہی یہ ٹھیک ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ زاہد سے زاہد شخص بھی یہاں بیحد بےچین اور اوس کی جان کو رات دن حتےٰ کہ نماز روزہ میں بھی پریشانی اور بےچینی دامنگیر ہے اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا۔ مگر بشارت ثانی یہ ہے کہ اونکی ایک سیدھی راہ کے ذریعہ رہبری کی جاتی ہے۔ جن حضرات کو نماز میں دنیوی تفکرات ستاتے ہوں اور جن کے چہرے نماز و روزہ وغیرہ یعنی ہر قسم کی عبادت کے بعد بھی پژمردہ رہتے ہوں اون سے کہاں یہ امید کیجا سکتی ہے کہ وہ صراط مستقیم پر ہونگے۔

دوسرے یہ کہ بشارتوں کی تقدیم و تاخیر سے کیا حقہ فائدہ اٹھایا نہیں گیا۔ یہ امر صاف ہے کہ راہ راست کے ذریعہ رہبری فرمائی جانا خود رحمت اور فضل ہے۔ اور اس سے مراد جنت اور انعام پانے والوں میں داخل کرنے کے بعد ہدایت کیا معنی رکھتی ہے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ جنت اور اوس کے نعیم کے لئے نام رحمت کر لیا جاتا ہو۔ جیسا کہ بعض احادیث سے ثابت ہے۔ مگر تقدیم و تاخیر سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ فقیر کے خاطر حقیر میں یوں آتا ہے کہ زبان عرب میں سَ اور سَوۡفَ دو حروف ہیں جو مستقبل

کے معنیٰ ظاہر کرنے کیلئے آیا کرتے ہیں مگر سَ تو مستقبل قریب کیلئے آتا ہے اور سَوْفَ مستقبل بعید کے لئے اور یَھْدِیْھِمْ مضارع کا صیغہ ہے جو حال واستقبال دونوں معنی کے لئے آتا ہے۔

بعض مفسرین ومترجمین علیہم الرحمہ نے پہلے کے معنیٰ استقبال کے اور دوسری بشارت میں یَھْدِیْھِمْ کے معنیٰ حال کے لیا ہے۔ مگر مناسب یہ ہے کہ دونوں کے معنی استقبال کے لئے جائیں تو یہ ثابت ہوگا کہ رحمت وفضل اور ہدایت ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اور ہدایت عینِ رحمت اور عینِ فضل ہے بھی۔ اور تقدیم وتاخیر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے فضل ورحمت مومن پر ہوتی ہے تو اوس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہدایت کے ابواب کھل جاتے ہیں اور ہر طرف اوس کو راہ راست ہی ملتی ہے۔

اس ساری تحریر سے ایک نتیجہ پر ہم پہنچ سکتے ہیں وہ یہ کہ توحید یعنے صحت ایمان باعث خوشنودی وفضل ورحمت ہے اور فضل ورحمت بغیر ہدایت وشواری نہیں بلکہ ناممکن ومحال۔ یہاں فضل ورحمت پر ایک سیانا یہ سوال کرے گا کہ کیا فضل ورحمت عام ہوئی یا خاص اس کے متعلق مفصل گفتگو آگے آتی ہے۔

جب توحید یا صحت ایمان باعث خوشنودی ہے تو توحید یا ایمان صحیح اور اس سے فضل ورحمت کا حصول اور اس کا نتیجہ ہدایت ہے تو معلوم نہیں ہوتا کہ معترضین اوامر ونواہی شرعیہ پر کیسے اعتراض کرسکتے ہیں اور کیونکر اُس سے احتراز کرتے ہوئے موحد کہلا سکتے ہیں۔

یہ امر یاد رہے کہ وجود خواہ وہ کسی کا وجود ہو دو شان میں ہوتا ہے ایک تنزیہہ دوسرے تشبیہہ۔ شان تنزیہی کو تجدد نہیں جو الآن کما کان سے ثابت ہے اور تشبیہہ کو ہر آن تجدد ہے۔ تنزیہہ محض کے صفات ظاہر نہیں تشبیہہ کے صفات ہیں اور یہ وہ صفات ہیں جو تنزیہہ محض میں مستجن تھے۔ اور یہ صفات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک جمالی دوسرے جلالی۔ جمالی کو بالفاظِ دیگر خیر محض بھی کہتے ہیں اور جلالی کو شر محض۔ شر عدمِ خیر کو کہتے ہیں یعنی جلال عدمِ جمال کو۔ اسی لئے جمال سے مراد ہدایت ہے اور جلال سے گمراہی ان دو اقسام کے دو خزانے یا مخزن ہیں جو بلحاظ نوعیت بکثرت ثابت ہوتے ہیں یعنی دو ہیں۔ حقیقت میں دونوں ایک ہی وجود یا ایک ہی واجد یا ایک ہی موصوف یا ایک ہی فاعل کے صفات ثابت ہوتے ہیں۔ مخزنِ خیر و معدن جمال جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مخزن شر و جلال وہی ابلیس علیہ اللعنۃ

پس اس سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ معدنِ جمالِ الٰہی کی زبانِ مبارک سے جسکی تعریف یہ ہے کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ جو کچھ بھی نکلے وہ نہ صرف وحی۔ خبر صادق و شریعت ہے بلکہ عین ہدایت ہے اور مخزن جلال الٰہی کی زبان سے جو بھی نکلے عین گمراہی ہے اور غیر شریعت ہے۔ باطل و شر ہے۔

چنانچہ حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو سات وقت دھوئیں اور مٹی سے مانجھیں۔ دنیائے

اخبار بینی میں یہ بات مشہور ہے۔ ابھی تازہ خبر ہے۔ بہت دن نہیں ہوئے کہ یورپ کے کسی ڈاکٹر نے کتے کے جھوٹے برتن کو امتحان کر کے دیکھا اور شہادت دیا کہ قول جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بہت سچا اور پر از حکمت و ہدایت ہے۔ خون کا کھانا حرام ہے اوس کی حکمت عوام کے بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ خون جراثیم جسم حیوانی سے مرکب ایک مایع و سیال مادہ ہے اور ظاہر ہے کہ جراثیم کا کھانا بعید از حکمت ہے۔ جراثیم کیا ہیں وہ تو زہر مہلک ہیں۔

مخزن جلال کا کوئی بہتر سے بہتر قول لیجئے اوس میں بھی گمراہی ہوگی اور اگر گمراہی نہیں گمراہی کا کچھ اثر ضرور ہوگا۔ چنانچہ ایک دفعہ جناب ابلیس علیہ اللعنۃ حضرت ابو یزید بسطامیؒ کو نماز فجر کے لئے بیدار کرتے ہیں اور بہت تیزی سے جگا کر ادائی فرض کے لئے عجلت کی ہدایت کرتے ہیں۔ آپؒ نماز سے فارغ ہوکر دریافت فرماتے ہیں کہ جناب آپ بڑے نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں آپ کون صاحب ہیں۔ اُس نے کہا میں ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو تو گمراہ کرنے والا ہے۔ یہ کیسے کہ نماز کے لئے جگایا۔ اوس نے کہا حضرت ایک وقت نماز قضا کر کے ستر وقت کی نماز کا ثواب آپ لیتے ہیں تو میں نے نہ چاہا کہ آپ کو ستر نماز کا ثواب ملے بلکہ جماعت کے ثواب سے بھی آپ محروم رہیں اس لئے جگا دیا۔

ملاحظہ ہو کہ ہدایت کے لباس میں کس طرح گمراہی کا اثر پوشیدہ ہے۔ پس معلوم ہو چکا کہ توحید سے فضل و رحمت اور اوس کا نتیجہ ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اور موحد کا مسلک و مذہب طریق و چلن وہی شریعت و اتباع سنت

ہے۔ اور شریعت کے خلاف چلنے والے ہدایت پر نہیں بلکہ گمراہ ہیں۔ موحد نہیں بلکہ مشرک و شیاطین ہیں۔ ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزیدر
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

آیئے معلوم کریں کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے۔ آخر توحید کے جاننے والے کیسے بھٹکتے ہیں۔

بھائی صاحب! توحید ایک ایسا عام فہم لفظ ہے کہ جس کے مفہوم و مراد کو ہر انسان آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ مگر اس میں اجمال کی خاص نزاکت و باریکی ہے جس کے سمجھے بغیر توحید حاصل نہیں ہو سکتی ذرا سی باریکی چھوٹ جائے تو موحد کے حوصلے ٹیڑھے ہو جاتے ہیں۔ توحید کے اعلےٰ مرتبۂ جمال سے جلال کے اسفل ترین گڑھے میں اتر جاتا ہے بلاشک و شبہ اس سے کفرِ حق کا صدور ہوتا ہے جو ایک بدترین حرکت ہے۔ اور پھر اِس فرمان کے بموجب اُسکی حالت ہو جاتی ہے۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

توحید کے معنے خدا را ایک دانستن کے نہیں ہیں بلکہ ہمہ را ایک دانستن کے ہیں۔ یا بالفاظ دیگر خدا تعالیٰ کو اس خوبی و نزاکت سے ایک جاننا کہ دوسرے کسی کا نام و نشان تک حاشیۂ خیال میں باقی نہ رہے۔ خدا شناسی حقیقت میں خود فراموشی ہے اور جب خود فراموشی اپنی ذات و شخصیت سے شروع

ہوکر ساری کائنات پر تمام وکمال محیط ہو جائے جب توحید اصلی حاصل ہوتی ہے۔ توحید کی اجمالی خوبی و نزاکت محیط عالم و حاوی جمیع علوم وفنون ہے۔ متن توحید کی شرح وتفصیل تو علم باطنی کا ایک بحر عظیم ہے مگر علوم ظاہری سب کے سب اس کے مختصر حواشی ہیں۔ توحید کے حصول کی سعی دائم ورزائل کے ترک کرنے اور محاسن وفضائل کے حاصل کرنے سے یعنی خیال کو درست اور اعمال کو سنوارنے سے کی جاسکتی ہے۔ اسی کو تصوف کہتے ہیں یعنی التصوف تصحیح الخیال والاعمال۔ اور یہی وہ تعلیم ہے جس کو اسلام سکھاتا ہے اور یہ وہ ہے جس کو شریعت بھی کہتے ہیں جو لوگ اس کے حصول کی فکر نہیں کرتے وہ توحید سے دور اور اون سے توحید کوسوں پار رہتی ہے۔

آجکل یہ ہو رہا ہے کہ پیر ومشایخ صاحب ارشاد نے اپنے مرید سے بیعت لیتے دیتے ہوئے کان میں کہدیا کہ تیرا وجود ہی خدا ہے یا چناں ہی وچنیں ہے بس پھڑک گئے اور سمجھ گئے کہ وہ بھی بہت کچھ تو کیا سبھی کچھ ہیں۔ اور پھر شریعت سے تعلق ہی کیا رہا جبکہ طریقت وحقیقت کا کمال حاصل ہو گیا اور بس۔ یا تو مرید تھے جس میں دو ئی کے دو نقطے نیچے تھے یا تو اب مرتد ہو گئے کہ وہی دو ئی کے دو نقطے علوے مرتبت حاصل کر لئے اور سرتاج شیطنت بن گئے اور بلندی ورفعت کے جذبے نے تین سو نوے کا بل پیدا کر دیا اور قیمت زیادہ ہو گئی محاسن جاتے رہے۔ مرید کی حقیقی ترقی تو یہ تھی کہ وہ دو ئی کے دو نقطے نشیب وفراز ہی سے غایب کر دیتا زیر و بالا کہیں نہ رکھتا۔

نہ یاد ی رہتی نہ تا رت اپنی۔ بالآخر مرد ہو جاتا ہے

کم کن الف مراد تا مرد شوی

موحد وہ جوانمرد ہے کہ جو اس عالم بے ثبات و نا پائدار میں ایک حالت ثابت و پائدار اپنی ذات کے لئے پیدا کر لیتا ہے جس کو سخت سے سخت آندھی اور طاقتور سے طاقتور طوفانی موجیں بھی نہیں ڈگمگا سکتیں۔ یہ وہ مرد میدان ہے جو اپنی حقیقی قابلیت کی تلوار سے قابلیات باطلہ کی ایک ایک نہیں بلکہ وقت واحد میں ایک ہی وار سے اوسی ایک تلوار کی نہتی دھار پر لاکھوں سر جدا کر دیتا ہے جاء الحق کی ایک بجلی میدان اعمال پر کوند جاتی ہے اور زھق الباطل کی صدائیں گونجنے لگتی ہیں۔ اور پھر یہ جدھر دیکھتا ہے اس کو حق ہی حق نظر آتا ہے۔ باطل کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ ارے یہ وہ غنی و سخی ہے کہ باطل کے بھکاری کو ایک سوال پر ساری کائنات دے بیٹھتا ہے اور ایک حق کو حاصل کر لیتا ہے۔ یہ وہ بالغ نظر ہے کہ بڑے بڑے پربت تو کجا ساری کائنات کو اپنی نظر میں ایک خشخاش کے دانے کے مساوی بھی نہیں پاتا۔ غنی اس بلا کا کہ سب کچھ اس کا ہے مگر یہ اپنے آپ سے کام لیتا ہے محتاج کسی کا نہیں۔ آئے کوئی کار آزمائے۔ ایسا جوانمرد بنے۔ اس بحر میں اتر کر تو دیکھے اور پھر خود کو پائے۔

بھائی صاحب! موحد وہ دانشمند ہوتا ہے جس کی ایک دانائی پر کروڑوں عقلیں قربان کر دی جائیں۔ یہ اپنی حقیقت کو اپنی ہستی سمیت سمجھ لیتا ہے اور استعداد عبدیت کے ظہور پر کمر کس لیتا ہے اور وہ اعمال اس سے

ظاہر ہوتے ہیں جو سچے عبد اللہ سے ظاہر ہونا چاہئے جو علامات عباد اللہ کیطرح مذکور بکلام اللہ ہیں۔

زعمائے توحید کا خیال ہے کہ اپنے آپ کو خدا سمجھ لینا کافی ہے یہی لاکھ عبادتوں کی ایک عبادت ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو خدا ان حمقاء کی شکلوں میں فضول کیوں ظاہر ہوتا حالانکہ اس کا دعوے ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔ کیا معاذ اللہ وہ اتنا بھی نادان تھا کہ اپنے آپ کے خدا ہونے کا علم بھی نہ رکھتا تھا۔

استغفر اللہ العظیم۔ وہ علام الغیوب ہے، اور تھا اور رہیگا۔

اصل بات یہ ہے کہ انھوں نے توحید کو سرے ہی سے کچھ نہ سمجھا۔ جبھی تو یہ خامی ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ توحید کے میدان میں جو حقیقت الحقائق ہے اٹکل پچو کے گھوڑے اڑائیں یا حکومت وحدت میں اپنی بطالت کے کھوٹے سکے چلائیں۔ کچھ چل بھی رہے ہیں جبھی تو جرأت از حد بڑھی ہوئی ہے کیونکہ معدن جلال سے انھیں مدد ملتی ہے اور اس معدن کو ذات صمدیت نے خود اپنی کمال بے نیازی سے یہ قوت بخشی ہے اور فرمادیا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ اور دنیا میں نقادان جمال کب چپ رہتے ہیں انکے کھوٹے سکوں پر اپنے محک عقلیہ سے بٹا لگا ہی دیتے ہیں۔

ان بیچاروں کو کہاں اس میدان کی وسعت کا پتہ' یہ تو اپنی ڈیڑھ انگل کی چیری میں شہسواری کر رہے ہیں اور وسعت کے نشیب و فراز سے

غافل ہیں۔ چلو انھیں اپنے حال پر رہنے دو۔ فَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ۔ آؤ غور کریں کہ کیا چیز بیحد ضروری ہے جس کے سمجھ لینے کے بعد فضل ورحمت کے زیر سایہ ہو کر باطل سے نجات اور حق کی طرف ہدایت حاصل کر سکیں گے اور تاریکی سے روشنی میں آسکیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ھو المستعان القدیم۔

قبل اس کے کہ توحید یا اوس کے ذرایع سمجھنے کی کوشش کیجاے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر غور کر لیا جائے کہ باری کیا ہے اور علم باری کیا اور اس مختصر تحریر میں صرف اسی حد تک افہام وتفہیم ضروری ہے اور ہم کو صرف اتباع شریعت کی ضرورت کو ثابت کر لینا ہے تاکہ زعماء کو معلوم ہو سکے اور طلبا کو فائدہ بخش ہو اور بس۔

ذاتِ باری | سب سے پہلے یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کیا ارشاد فرمایا ہے۔ آیا اس موضوع پر بحث کرنے کا حق دربار رسالت پناہی سے عطا ہوا ہے یا نہیں۔ ایک فرمان ہے کہ تفکروا فی الآء اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ یعنی ذاتِ باری پر فکر کرنے کی قطعی ممانعت ہے بس یہ کافی ہے کہ ہم اسقدر ذاتِ باری پر بحث وفکر کرلئے آگے گنجایش نہیں ہے۔ آخر ہمیں کیوں روکدیا گیا اس کی حکمت کیا ہے اس پر غور کرینگے تاکہ آگے یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ؎

تو نہ آتا تری آواز تو آیا کرتی گھر خوشبو سے ترے گھر کے برابر ہوتا

اور اس ہمسایہ داری سے کچھ پاک وصاف چیزیں شاید ہاتھ لگجائیں۔

ایک دفعہ احباب کی محفل میں جناب باری عزاسمہٗ سے متعلق یعنی خدا شناسی کے متعلق اپنی اپنی قابلیت علمی کے مطابق گفتگو ہو رہی تھی ایک بڑی استطاعت و قابلیت کے آدمی بھی اس جگہ موجود تھے انھوں نے مجھکو مخاطب کرکے فرمایا کہ جناب والا آپ حضرات گمراہی کی طرف جا رہے ہیں۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت قطعی آئی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اوس فرمان واجب الاذعان کو سنائیں۔ انھوں نے فرمایا تفکروا فی الآء اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ۔ اور فرمایا کہ کیا یہ کافی نہیں ہے میں نے ادباً عرض کیا کہ حضرت یہ فرمان مبارک ہماری تائید کرتا ہے نہ کہ آپکی کھلی اجازت ہے نہ کہ قطعی ممانعت! انھوں نے تعجب سے کہا آپ کی عقل کہاں ہے میں نے عرض کیا کہ وہ اپنی جگہ پر ہے۔ انھوں نے کہا ثابت کرو کہ اجازت کیسے ہے۔ میں نے اُن سے ذات کی تعریف دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ ذات تو وہی ذات ہے جس کے کچھ نام اور صفات ہوں بغیر صفات کے نام کیسے قایم ہو سکتے ہیں اور بغیر نام و صفت کے ذات کیا شے ہوگی؟ ذات سے بحث و حقیقت اوس کے اسماء و صفات سے بحث ہے۔ ہم صفات و اسماء و افعال ہی سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اب رہا یہ کہ حضرت جناب باری کی شخصیت محض اور اوسکی تخلیق یہ دو ایسے امور ہیں جن سے بحث کرنا عبث ہے کیونکہ ذات باری محض یا شخصیت محض باری تعالیٰ عنہ شانہ تو ایسی بے نیاز ہے کہ کسی اسم و صفت کی بھی اوسے پروا نہیں اور منزہ عن۔ جب ذات باری محض منزہ محض ہو کسی قسم کی اوس پر بحث کیجائے

اس سے بھی پاک و منزہ ہے۔ اور رہی تخلیق اُس ذات بحت کی۔ بھلا ایسا بھی کوئی نادان ہوگا جو واجد و خالق کو مخلوق مانے گا اور وہی شخص اوسکی تخلیق پر بحث کرے گا جو اوس کو مخلوق مانتا ہو اور ایسا شخص اوس کے صفات سے ناواقف بھی ہوگا۔ اگر ہم یہ جانتے ہوئے بحث کر رہے ہیں تو اوس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ ہم حقیقت میں تفکر فی الآء اللہ میں مصروف ہیں اور اوسکی صریح اجازت ہمیں حاصل ہے۔ اور تفکر فی ذات اللہ کو محال اور عبث سمجھتے ہیں۔

بھائی صاحب ہمیں واقعہ مذکورۃ الصدر میں جیسے عرض کیا گیا ہے اوس حد تک اجازت نصیب ہے۔ اور آگے اس موضوع پر اسی سے متعلق کچھ مختصر عرض کیا جائے گا۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے ہمیں اجازت صرف حضرت جناب باری تعالیٰ سبحانہ کے صفات پر غور و فکر کرنے کی دیگئی ہے۔ اگر ہم اس کو یہیں پر ختم کر دیں اور آگے صفات پر غور و فکر کرنے لگیں تو ممدوح سے ناواقف شخص باوجود اپنی ناواقفیت کے مدح کیسے کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر موصوف کی ذات سے بحیثیت اوس کے موصوف ہونے کے ہمیں کوئی واقفیت نہ ہو تو ہم اوس کے کیا صفات بتا سکتے ہیں اور کتنے اسماء گنوا سکتے ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ ذات باری پر اتنی تو گفتگو کر لیجائے جو اجازت کے حدود سے باہر نہ ہو تاکہ واقفیت موصوف سے صفات کا پتہ چلا سکیں۔ اور اون پر کوئی فکر کر سکیں اور اسی فکر کو بزرگان دین نے عبادت قرار دی ہے۔

لاعبادت کالتفکر۔ اسی فکر کا نتیجہ ہے جس کا نام معرفت ہوتا ہے اسی فکر کی تعلیم قرآن کریم میں بھی فرمائی گئی ہے۔

ذاتِ باری کی شناخت کے لئے یہ لابدی ہے کہ ہم دو طریقوں میں سے کسی ایک طریق پر چلیں یا تو زمین و آسمان اور جو کچھ بھی اونکے درمیان ہے سب پر خاک ڈالیں اور پھر ذات باری کی شناخت کرنے بیٹھیں۔ یا زمین و آسمان اور جو کچھ بھی اون کے درمیان ہے ایک ایک کرکے سب کے صفات و افعال میں گھس جائیں یہانتک کہ خود محو ہو جائیں جب جاکر کے کہیں شناخت کی ابتدائی منزل مل سکتی ہے مگر اول الذکر بہ نسبت آخرالذکر کے سہل ترین ہے۔ آخرالذکر محنت و مشقت کے باوجود خطرناک ضرور ہے اور اگر وہ چاہے تو یہ بھی سہل ترین مسلک ہوسکتا ہے جیسا کہ بعض بزرگان دین پر اوس کی دشواریاں آسانیوں سے بدل گئیں اور شناخت حاصل ہوگئی۔

یہاں ہم طریق اول الذکر کا ذکر کرتے ہوئے احباب کو ایک ایسے زمانے کی یاد دلائیں گے جو حضرت جناب باری جل وعلیٰ نے یاد دلائی ہے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۔ یعنی کیا حضرت انسان پر سے کوئی ایسا زمانہ بھی نہیں گذرا ہے جبکہ وہ کوئی قابل الذکر شے نہ تھے۔ اس پر سے ممکن ہے کہ آپ یا میں یہ کہہ سکوں کہ میں انسان نہ تھا تو نطفہ تو تھا اور اگر نطفہ نہ تھا تو اوس وقت جبکہ حضرت پدر بزرگوار نطفہ کی حیثیت رکھتے تھے اوس میں اثر کی صورت تو رکھتا تھا۔ اسی

سلسلہ سے حضرت آدم کی گدی یا صلب میں تو تھا۔ اگر یہاں بھی نہ تھا تو حضرت سیدنا آدم و سیدتنا حوا علیہما السلام کے اغذیہ ماکولات میں عرق غذائی کی صورت میں تو تھا۔ اگر یہاں بھی نہ تھا تو زمین کے نبات پرورا جزا سے تو تھا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ جو کچھ ہم اپنے ہفت صد و ہفتاد قالب کے نام گنوا رہے ہیں یہ قابل الذکر ٹھہرے یا نہیں۔ چونکہ ہم ان کا ذکر کرتے ہی جا رہے ہیں پس یہ اشیاء قابل الذکر ہیں مگر جس زمانے کی یاد دلائی جا رہی ہے وہ ایسا زمانہ ہے جبکہ ہم کوئی شے قابل الذکر نہ تھے یعنی ہمارا منشا یہ ہے کہ ہم آپ کو اوس زمانہ کی منزل پر پہنچائیں جبکہ ابھی تخلیق عالم کو کروڑوں سال باقی تھے اور ہم پوچھتے ہیں کہ جب ہم کیا تھے کچھ نہ تھے یہی جواب ہو سکتا ہے۔ اور اس کے سوا کیا جواب ہے۔

اُس زمانے کا نام ازل ہے اور ایسا بھی زمانہ اس میں داخل ہے جبکہ حضرت جناب باری جل شانہ نے اپنے علم کی طرف رجوع ہو کر تخلیق مخلوق کا ارادہ فرمایا۔ یہ زمانہ قابل یادداشت تو ہے مگر فی الحال اس زمانہ کو بھی چھوڑیئے کہ یہ بھی قابل الذکر ہے۔ اگر اس گمان سے اس کو ازل فرمائیں تو ہم اس سے بھی آگے یعنی ازل الآزال میں آپ کو لیجانا چاہتے ہیں جبکہ ایک ذات ایک شے تھی جس کا کوئی ذکر کرنے والا نہ تھا اور نہ اس ذات نے جس میں سب قسم کی طاقت و قدرت تھی اپنے کرشمہ ہائے قدرت کے نمونے فضائے ازل میں ظاہر کر کے اپنی قوت و اقتدار کو ثابت کئے تھے پس ایسی ذات اپنے ہی آپ میں محو و مشغول ہو اور کوئی اثر اوس کے فعل کا

موجود نہ ہوا اور نہ کوئی فعل ہی صادر ہوا ہو اس کی اس وقت کیا شان و صفت ہوگی۔ عقل انسانی میں چونکہ کوئی صفت اس وقت قرار نہیں پائی اس لئے یہ ذات بے نشان تھی اگر خود تھی بھی تو اس کے ہونے کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ کوئی صفت اس کی قایم نہیں ہوئی تھی اگرچہ اسکے سارے صفات جن کے آج مظاہروں سے عالم پُر ہے اس کے ساتھ قایم تھے پس یہ بے نشان و بے نام تھا اور چونکہ اس کا کوئی مکان ظرف عالم سے نہ تھا بس اس کا مقام لامکان تھا۔ اب تم اپنے اعتبار کا لحاظ کرتے ہوئے نام کہو یا نشان مقام کہو یا اس کا مکان۔ چونکہ یہ اپنی ذات میں آپ محو تھا۔ عشق کہتے ہو تو کہہ لو۔ یہاں اس کے آگے دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ نام شکل وصورت کے بھی ہوا کرتے ہیں۔ اوس کی شکل تھی نہ صورت۔ نہ یہ نور تھا نہ اندھیرا۔ اسی کو علم ہے کہ وہ کیا تھا اور بس۔ وہ ذات برائی سے تو ہمیشہ منزہ ہے۔ مگر یہاں بھلائی کے اطلاق سے بھی پاک تھی۔

اب جبکہ عالم بشکل عالم پیدا و ہویدا ہے اور یہاں اشیا کی کثرت اور اختلاف صورت نے شناخت کے لئے نام مقرر کرنے پر مجبور کیا۔ اشیائے عالم کے ساتھ ساتھ اون کے صانع کے نام بھی قرار پانا ضروری تھا پس بے سوچے سمجھے بے دیکھے بوجھے ایک بے نام و نشاں مقیم لامکاں کو اللہ واللہ نامزد کرنا آگیا تو یہ کہاں سے۔ حضرت سیدنا آدم کو تو اسمائے اشیاء کی تعلیم اوس علام وعلیم نے دی تھی۔ اسماء الہٰی کی تو تعلیم

نہیں دی تھی۔ آخر آدم علیہ السلام نے اللہ یا آلہ پکارا ہوگا تو کہاں سے سیکھ کر۔ حضرت سیدنا آدم کے واضع لفظ آلہ ہونے کا تو کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ہم کہہ سکیں کہ آپ نے وضع کر کے کہنا سکھایا اور جبکہ جنّت میں رہ ہی چکے ہیں تو آپ دیکھ بھال کر وضع کئے ہوں گے۔ معلوم تو یوں ہوتا ہے کہ یہ ساری آراستگی اوسی ذاتِ واحد کی جانب سے ہوئی ہے جس نے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو اسماء اشیاء عالم سکھائے تھے۔

یہ سب بتا سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو نہ منھ ہے نہ منھ میں زبان، پر بولتا ضرور ہے اور لطف یہ ہے کہ اوس کی بولی ایسی آواز والی نہیں ہوتی جیسے کسی انسان یا جانور کی بولی آواز والی ہوتی ہے۔ اوس کے آنکھ نہیں ہیں آنکھ میں دیدے اور نہ دیدوں میں جاذاروں کی سی بناوٹ مگر دیکھتا ضرور ہے۔ اوس کے کان نہیں اور نہ کانوں میں پردے۔ مگر سنتا ضرور ہے، اور اس خوبی سے سنتا ہے کہ سیاہ چیونٹی کی آہٹ کو بھی سُن لیتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان امور کو سن کر خدائے عزوجل کی قدرت کاملہ کو نگاہ کے سامنے رکھتے ہوئے کوئی شخص ایماناً اور عقیدتاً آمنا و صدقنا کہے۔ مگر عقلاً میں تو اوس کو ایک انوکھی بات سمجھتا ہوں۔ میری عقل کبھی اوس کو سمجھ نہیں سکتی کہ واقعی اسی طرح ہوگا اس اعتبار سے میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا عقیدہ واثق و راسخ نہیں ہے۔

مذہب کی ساری باتیں سمجھ میں آسکتی ہیں اوس کے اعمال و عبادات وغیرہ کے محاسن، اونکی باطنی خوبیاں اونکا اثر اخلاق، تمدن اور معاشرت

پر کسقدر مناسب اور فائدہ بخش ہوسکتا ہے۔ سب کچھ عقلاً سمجھ میں آسکتا ہے مگر یہ عجیب و نادر ترین بات ہے کہ اگر سمجھ میں نہیں آسکتا ہے تو کیا؟ وحدتِ حق اور صفاتِ حق کا مسئلہ اور یہ کہدیا اور مان لیا جاتا ہے کہ یہاں عقل کا دخل ہی نہیں۔

میرا ایمان جس نوعیت کا ہے وہ تو ظاہر ہی ہوچکا۔ اگر اس پر اس امر کی بھی جرأت کروں تو کوئی بری اور اس قسم کے ایمان والے سے کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ یہ کہ مذہب تو کوئی غیر معقول امر نہیں اور یہ مسائل جو مذہب کی جان اور روح رواں ہیں اون کا سمجھ میں نہ آنا کوئی معقول بات نہیں ہوسکتی۔

جبکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت وجلوت کی کسی بات کو کسی مسئلہ کے باریک ترین رازِ مخفی کو نہ چھوڑا تو کیا اس کو نہیں سمجھایا ہوگا؟ آپ نے اس کی تعلیم تو ضرور فرمائی ہے۔ علم العقائد کا ایک زبردست مسئلہ اور اوس پر جمیع علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاء پر کتمان حق حرام ہے یعنی محال پس سردار انبیاء کسی بات کو پوشیدہ چھوڑ جائیں۔ یہ بچے کی عقل میں بھی نہیں آسکتا۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں اور اتنا عرض کرسکتا ہوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تو ضرور مگر فی زمانہ کوئی ایسے اشخاص کسی کنج تنہائی میں ہوں تو ہوں ظاہر میں تو نہیں ہیں جو اس عقدہ کا حل صحیح طور پر جانتے ہوں اور عوام کو سمجھا سکتے ہوں۔ اگر ہوتے اور اپنے فرایض کو انجام دیتے تو ہم یہ کیوں کہتے کہ ہم سنی مسلمان ہیں سُن کر ایمان لاتے ہیں خواہ وہ بات عقل

میں بھی نہ آسکتی ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ ہم کو لفظ سنی کے کیا معنے ہیں نہیں معلوم۔

میں انشاء اللہ اپنے کفر کے تحت اس مسئلہ پر جو کچھ فکر کیا اور کیا کچھ مجھے اس سے سمجھ میں آیا اوس کا اظہار آگے کروں گا۔ مگر یہ ایک موٹی سی بات ہے۔ اسکی آسانی روز روشن کیطرح ظاہر ہے اور یہ امر کیا عقلاً و نقلاً اور کیا عقیدتاً ہم مانتے ضرور ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات ازل الازال ہی سے متصف بجمیع صفات تھی اور جو صفات اوس میں اوس وقت موجود تھے اب بھی ہیں اور ابدالآباد تک رہیں گے۔ اسمیں کسی ایماندار کو کلام نہیں ہوسکتا اور نہ اس امر کے ماننے میں کسی کو کلام ہوسکتا ہے کہ تخلیق عالم صفات باری کے تمام تر ظاہر ہونیکے لئے ہوئی ہے۔ سارے عوالم و سارے خلایق جب پیدا نہ تھے اور خدا ہی خدا تھا تو اوس کے صفات سوا اس کے کہ اوس پر خود ظاہر ہوں اور کون تھا جس پر ظاہر ہوتے اگر خود اوسپر ظاہر تھے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اون کا اوس کو علم تھا۔ معاذاللہ کوئی دیوانہ بہکا ہوا یا اپنے آپ کو بھولا ہوا تو نہ تھا جو اپنے آپ بکواس کرتا اور سنتا اوس کا کہنا سننا اوس کے خیال کرنے کی حد تک کافی تھا اور اوس ذات بے نیاز کو ایسے کیا اہم ضروریات پیش خاطر تھے جنپر وہ کچھ فکر کرتا یا اپنے آپ میں کچھ اوس کو کہنا سننا پڑتا۔ مگر جب اوس کا ارادہ اپنے کمالات قدرت کرشمہائے طاقت اور صفات کے مظاہرے دکھانے کا ہوہی گیا تو اوس نے مختلف خلایق و عوالم کو اون صفات کے ساتھ ہویدا فرمایا

اوران صفات میں سے ہر ہر صفت کے ظہور کی جگہ مخصوص فرما کر پردہ یا حجاب اپنے افعال پر ڈالدیا جو عقلاً نہایت ضروری ثابت ہوتا ہے اور اس ضرورت کے سمجھنے کے لئے آگے علمِ باری کا مسئلہ آتا ہے اوسکے بغور مطالعہ کے بعد معلومات کا ذہن میں حاضر رہنا ضروری ہے۔ اُس مسئلہ کے بعد پھر ہم اس کو پیش کرینگے اوسوقت واضح ہو جائیگا۔

علمِ الٰہی یہاں ہمکو یہ کہنا نہیں ہے کہ اس وقت علمِ الٰہی میں کیا کیا ہے یا کسی زمانہ آئندہ میں کیا کیا موجود ہوگا یعنی یہ کہ تفصیل علم الٰہی ہمارا مبحث نہیں ہے۔ اور نہ کسی آدمی جن یا فرشتہ کی طاقت کہ تفصیل بیان کرسکے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ۔ اور علم الٰہی کی تعریف تو قرآن مجید میں بایں الفاظ وارد ہے۔ وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ۔ اب ہم جو بیان کرنا چاہتے ہیں وہ علمِ الٰہی کی حقیقت ہے جو بزرگان دین کی وساطت سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہونچی ہے۔ اس سے شاید یہ خیال ہو کہ میں کوئی حدیث معنون مستند کو نقل کرونگا۔ نہیں بلکہ میں اوس تلقین وتفہیم کا خلاصہ پیش کرونگا جو بزرگانِ دین نے اپنے عقیدت مندوں کو اپنی تقریر یا تحریر کے ذریعہ سمجھایا ہے اور یہ میرے اپنے الفاظ ہونگے اور یہ مطلب وہی مطلب ہوگا جو میں نے سمجھا ہے اور اس کا تعلق بزرگانِ دین یا حضرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک سے کچھ نہ ہوگا اِلّا آنکہ یہ وہ مطلب ہو جو میرے ذہن ناقص میں آسکا۔ میں کوئی غلط یا گھڑی ہوئی عبارت حدیث کے نام سے پیش کر رہا ہوں نہ کسی بزرگ کا قول ہونا جتا رہا ہوں بلکہ عرض یہ ہے کہ اس عبارت کے مفہوم کی صحت و عدم صحت میری ناچیز عقل و دانش کے عدم قصور یا قصور کا نتیجہ ہوگی۔

سب سے پہلے آپ اپنے ذہن پر غور فرمائیں اور دیکھیں تاکہ آئندہ جو کچھ عرض کیا جائیگا اوس کا سمجھنا آسان ہو۔ یوں تو خدا کے علم کا بڑے سے بڑے عقل و دانش اور اعلیٰ سے اعلیٰ فہم و فراست والے انسان کی کوئی ہستی نہیں جو مقابلہ کریں یا نظیر پیش کریں مگر ایک امر کو جو کہ کسی اوس امر کے قبیل کا ہو جس کو سمجھنا ہے۔ پہلے اس کو سمجھ لیا جائے اور وہ امر خاص پیش ہو تو اوس کے سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔ اور پھر یہ یاد رہے کہ علم الٰہی کا علم انسان سے بہت گہرا تعلق ہے آگے چلکر معلوم ہو جائیگا۔

ہر نئی شے جب تمھارے ذہن میں آتی ہے اوس کے لئے میں تین امور کو ضروری سمجھتا ہوں جن کو وہ خود لیکر صفحۂ ذہن یا لوح عقل پر رونما ہوتی ہے۔ اور ان تین امور میں تمھارا کوئی دخل نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ شے آپکے ذہن میں بے اختیار آئے یعنی اوس کے ذہن میں پیدا ہونے میں آپکا کوئی اختیار یا دخل نہ ہو۔ یعنی اوس چیز کا خیال آمدہ اور بے ساختہ ہو اور آوردہ یا ساختہ نہ ہو۔ وہ تین امور یہ ہیں۔ پہلے اوسکی ہیئت، دوسرے اُسکے تعلقات، تیسرے اوسکی سیرت۔

ہیئت کے دو قسم یا جزو ہونگے۔ ایک داخلی دوسرے خارجی۔ داخلی میں وہ جملہ امور داخل ہونگے جو اوس کے اندرونی یا پوشیدہ حصہ میں ہوں یہانتک کہ اوس کا ٹھوس یا کھوکھلا پن بھی داخل ہے۔ اور خارجی میں اوس کی صورت شکل، قد وقامت، ابعاد ثلاثہ یعنی چوڑائی لمبائی اور اونچائی موٹاپن اور جملہ دیگر امور متعلقات جسمانی اسمیں داخل ہونگے مثلاً رنگ، چکناپن، کھردراپن یا بھداپن وغیرہ۔

تعلقات کے بھی دو حصے داخلی وخارجی ہونگے۔ داخلی میں اُس کے تمام متعلقات ہونگے جو اوسکی ذات وساخت میں ضروری معاون و ممد ہوں اور بعد بھی رہیں۔ مثلاً مکان ہو تو زمین اینٹ چونا مٹی پتھر سفال لکڑی وغیرہ وہ تمام آدمی اور اجناس جو اوس کی ساخت کے لئے ضروری ہیں۔ انسان ہو تو ماں باپ وغیرہ یعنی خون اور رضاعت کے جملہ رشتہ دار اور خارجی میں مثلاً مکان ہو تو مالک رہنے والا۔ مسافر ہو کہ مقیم۔ عارضی طور پر ہوں کہ دوامی۔ دیکھنے والے۔ خریدنے والے۔ کرایہ دار وغیرہ۔ انسان ہو تو اوس کے دوست احباب دیگر رشتہ دار متعلقین شناسا وغیرہ۔

سیرت کے بھی اسی طرح دو جزو ہونگے ایک داخلی جس میں طبعی عادات وخصائل واعمال باطنی داخل ہونگے۔ دوسرے خارجی جو ظاہری عادات اعمال حرکات وسکنات وغیرہ اور اونکے نتائج اور پھر اون نتائج کے اثرات وغیرہ پر مشتمل ہونگے۔

اب آؤ۔ یوں سمجھو کہ آپ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو کسی قسم کی فکر نہیں ہے۔ کسی ایجاد یا اختراع کا خیال بھی نہیں۔ اچانک آپ کے ذہن میں ایک خاص قسم کی گھڑی کا نقشہ آگیا جو آپ کی اختیار آورد سے باہر تھا۔ تو یہاں بھی تین امور ذہن میں آگئے یعنی ہیئت داخلی و خارجی تعلقات یعنی آپ بنائیں گے اور اوس کے کل پرزے، خول، آئینہ۔ اسٹانڈ یا جو کچھ بھی ذہن میں آیا ہو۔ پھر اوس کو آپ ایک مصاحب بادشاہ کو دیں گے اور وہ بادشاہ کے نذر کرے گا۔ بادشاہ کے پاس رہے گی۔ پھر شہزادہ اوس کو لے گا پھر وہ اوس کو نمائش گھر میں بھیجدیگا اور وہ نمائش گھر کے مہتمم کے پاس چند روز رہ کر نمائش میں آئے گی۔ کارپردازان نمائش کے ہاتھوں سے گذرتے ہوئے نمائش میں کسی خاص مقام پر رکھی جائیگی اور ہمیشہ اوس نمائش گھر میں آنے والے امراء و رؤسا، متوسطین وغیرہ یعنی اعلیٰ و ادنیٰ شہر کے اور باہر کے جو کوئی بھی وہاں آئیں گے اونکی نظروں سے گذرے گی۔ وغیرہ پھر سیرت یعنی وقت دیگی، باجا یا گھنٹی بجائیگی۔ مختلف میٹروں یا پیمانوں و پیماؤں کا کام بھی دیگی۔ وغیرہ۔

پھر کسی دن اسی طرح ایک اور نمونے کی گھڑی کا نقشہ آیا اور پھر کسی دن دوسری پھر کسی اور دن تیسری اسی طرح متعدد مختلف قسم کی گھڑیوں کے نقشے آپ کے ذہن میں بے اختیار آتے رہے اور آپ بناتے رہے اور اوس کے نتائج برآمد ہوتے رہے اونکے اثرات بھی۔ یہ سلسلہ جاری رہا یا اب تک ہے اور بس۔ اب آپ مجھے یہ بتائیے کہ کسی گھڑی کا خیال

بے اختیار کس آن آیا اور اوس کے ساتھ ساتھ اوسی آن کتنے اوسکے متعلقہ معاملات آپ کے اس چھوٹے سے ذہن میں آگئے۔ کیا برقی قوت اوسکے آگے کام کرسکے گی۔ میں تو نہیں سمجھتا کہ برقی قوت کی بھی کوئی حیثیت آپکے ذہن و قوتِ خیال و مختلف قویٰ جو اوس وقت کام کئے اون کے مقابلہ میں ہے۔

آپ کے ذہن میں مختلف قسم کی گھڑیوں کا خیال آیا یعنی یہ کہ ایک باجے والی ہو دوسری باجا ٹھہر ٹھہر کر باجنے والی ہو تیسری گھنٹہ بجانیوالی چوتھی پیانو جیسا بجانے والی، پانچویں بغیر باجے کے چھٹی اسی قبیل کی چھوٹی ایک کے ساتھ خیال آیا تھا کہ مینار پر لگے، دوسری کے ساتھ دیوان خانہ میں دیوار سے چپکی رہے۔ تیسری کے ساتھ یہ کہ وہ میز پر رہے۔ چوتھی آپ کے پلنگ پر لگی رہے۔ پانچویں جیب میں رہے۔ چھٹی آپ کے ملازم کی کلائی پر۔ اور آپ نے اپنے ذہنی نقشے کے موافق گھڑیاں تیار کرکے ہر ایک کے ساتھ ساتھ جو امور کہ ذہن میں بے ساختہ پیدا ہوئے تھے اوس کے موافق تمام جگہوں پر رکھ دیا اور آپ نے اس میں اپنی جانب سے بنانے میں۔ نقشے میں ہیئت میں یا ذہنی مقاماتِ مقررہ میں کوئی اضافہ یا تغیر و تبادل نہیں کیا۔ آپ کا اس میں کوئی دخل نہ ہوا۔ اب آپ کے ملازم کی دستی گھڑی کہتی ہے کہ آپ نے اس پر ظلم کیا کہ بنایا۔ اچھا کیا مگر اپنے ہاتھ پر رکھتے یا اپنے کسی صاحبزادے کے ہاتھ پر باندھتے۔ ایک ذلیل و ادنیٰ خدمت والے بے ہنر شخص کی کلائی پر باندھ دیا۔ کیا آپ اس

دعوے کی صحت کا اعتراف کرنے کیلئے تیار ہیں ؟ اگر نہیں ہیں تو کیوں ؟ اسی وجہ سے کہ گھڑی کے کسی معاملہ میں سوئی بنانیکے اور کسی قسم کا آپنے دخل نہیں دیا۔ اور گھڑی جب آپ کے ذہن میں آئی تھی تو ان سب امور کو لیکر آئی تھی اس میں آپ کا کیا قصور ہے جو آپ ظالم ٹھہرینگے۔ یہ تو گھڑی کا قصور ہے جو آپ کو ظالم سمجھ رہی ہے۔ حالانکہ آپ اوس کے محسن و مربّی ہیں۔

بلا مبالغہ اسی طرح ابھی جبکہ دنیا کے یعنی جمیع عوالم کے پیدا ہونے اور تمام مخلوق کی تخلیق میں پچاس ہزار یا لاکھوں کروڑوں برس باقی ہونگے کہ حضرت جناب باری تعالی سبحانہ کمال بے نیازی کے ساتھ موجود تھے وہ ذات جس کو خودی و خودنمائی، خودرائی و خودستائی عزت و عظمت جلال و کبریائی سزاوار ہے وہ حضرت جل سبحانہ کی ہی ذات مقدس ہے تو وہ ذات کبریائی محوخودی و خودستائی تھی یعنی وہ ہر امر سے بے نیاز اور کسی کے ہونے نہ ہونے سے لاابالی تھا کہ اوسکی رحمت کا دریا موجزن ہوا اوسکو اپنے صفات و افعال کے ظاہر کرنے کا خیال ہوا تاکہ اوسکی ذات معروف و مشہور ہو تو اوس کے علم کے بحر عظیم کو حرکت ہوئی اور جو موج اول کہ علم الہی کے بحر عظیم میں پیدا ہوئی وہ ذات تھی جناب سید الکائنات مغز موجودات شہنشاہ عالمیاں سید الاولین والآخرین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضرت احمد مجتبی محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی جن کے پاک ہیئت میں سارے

عوام کائنات کی جملہ صور و اشکال و ہیئات داخل و مخفی تھے جن کے نور مبارک سے ہر ذرہ کی روشنی اور جن کے وجودِ مبارک سے ہر فرد کائنات کی ہستی متعلق تھی اور جن کی سیرت تمام کائنات کی سیرت تھی جن کے سر تاجِ سروری نبوت اُس وقت رکھا گیا تھا جبکہ حضرت ابوالبشر سیدنا آدم کی تخلیق بھی نہ ہوئی تھی ارشاد فرمایا ہے کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین۔ اپنی اولیت کے متعلق ارشاد ہوا ہے اول ماخلق اللہ نوری۔ اور آپ کا خلاصۂ عالم و مجمع کائنات اور ہر فرد کائنات کا اُسکے ساتھ تعلق و اشتمال ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ارشاد فرمایا انا من نور اللہ و خلق کل شیئے من نوری۔ اوس کو یعنی بحر علم کے اس موج اول کو حقیقت محمدی بھی اصطلاحاً کہا جاتا ہے۔ سالکین کو اس ہی مرتبہ میں فنا فی الرسول بھی نصیب ہوا کرتا ہے یعنی وہ شخص جو اس منزل میں محو و فنا ہوتا ہے اس منزل کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور سارے عالم کو اور اوس کے ہر فرد و ذرات کو تک اس منزل میں کھپا دیتا ہے بالفاظ دیگر وہ جس پر نظر ڈالتا ہے اوس کو علم اول کی جھلک نظر آتی ہے۔

ذرا غور کیجئے اس علم اول کے مرتبہ میں ہیئت، تعلق و سیرت کا لحاظ کرتے ہوئے کیا امور علم الٰہی میں ہونگے اگر اس موقع پر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ یہی کل علم تھا سارے اشکال اسی میں مخفی تھے جو عالم پر ظاہر ہوئے۔ سارے تعلقات اسی ایک ذات سے متعلق اور اسی ایک

ذات میں مندرج اور اسی ایک راز کے اسرار اور ساری سیرتیں اسی ایک ہستی کی سیرت میں پنہاں تھیں۔ ایک ایک کرکے سب کو گننا نہ میرا کام ہے نہ آپ کا۔ اس کو نہ فرشتہ گن سکتا ہے نہ کوئی جن۔ ان تین امور کے متعلقات اتنے کثیر ہیں کہ ان کی کثرت کسی مخلوق کی فہم و ادراک سے باہر ہے کیونکہ یہ وہ شے ہے کہ جو کسی مخلوق کی حیثیت و استعداد سے ارفع و اعلیٰ ہے اوسکو تو وہ ذات جس کا مثل کوئی نہیں ہے ایک آن میں اوس کے جزو کل کو گن کر بتلا سکتی ہے۔ ان امور کا گننا بھی اسی کی ایک وصفِ بے مثل ہے۔

یہاں ایک بات اس قابل پیش ہو رہی ہے کہ جس کا عرض کرنا ضروری ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ الٰہی کے دو بڑے حصے ہیں ایک تو یہ کہ اس ذات علام الغیوب کو اپنی ذات کا علم تھا۔ دوسرے یہ کہ ایسے کثیر التعداد ذوات کا بھی کیا بلحاظ ہیئت و تعلق اور کیا بلحاظ سیرت اجمالی و تفصیلی علم اوس کو تھا جسکی ذات سے خود ان کا کوئی تعلق نہ ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ جہاں اوس کو اپنا علم تھا اور جہاں وہ اپنی ذات و صفات و افعال کا عالم تھا وہاں اپنے ماسوا کے ذوات و صفات و افعال کا بھی عالم تھا اس سے یہ اخراج کیا جا سکتا ہے کہ اپنی ذات کے علم کے موقع پر تو یہ خود عالم اور خود علم اپنا آپ معلوم ہے اور ماسوا کے علم کے موقع پر خود عالم اور خود علم مگر معلوم اس کے ذوات ماسوا ٹھہرے۔ اب حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کی اوس رباعی کا مطلب سمجھنا بھی آسان ہو جاتا

ہے جو ذیل کے الفاظ میں ہے :-

بخدا از ازل دو علم بود علم بالذات و علم ماہیات
بہ ہمیں ہر دو علم ثابت شد کہ بود غیر ذات معلومات

اگر کوئی یہ سمجھے کہ ماسوی کے علم کے موقع پر عالم و علم اور معلوم تینوں کی ایک ہی ذات مسمّٰی موصوف و مرجع ہے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔ ایسا بڑا شرک کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

علم الٰہی میں جب قابلیات عباد ہیں اور ان کے مطابق ظہور ہو رہا ہے تو ظہور کے دو اعتبار ہوئے سعادت و شقاوت اور یہ دونوں ازلی ہیں تو شریعت یا احکام خدا و احکام رسول صلعم سعدا کے واسطے ہوئے۔ جو لوگ شریعت کا اتباع نہیں کرتے وہ سعدا نہیں ہوسکتے۔

یہاں یہ کہا جاسکے گا کہ سعدا نہیں تو موحد تو ہیں صوفی تو ہیں۔ ہم کہیں گے کہ صوفی بھی نہیں ہیں کیونکہ تصوف ذمائم و رزایل کے جو دراصل شقاوت کے شعب ہیں ترک کرنے کو کہتے ہیں اور توحید ذمائم و رزائل سے نہیں تو جو صوفی ہوگا اوس کا ذمائم و رزائل سے پاک ہونا ضروری ہوا اور توحید کا لازمہ ہے کہ ذمایم و رزائل کا انعدام و انقطاع ہو۔ اسکو آگے پیش کیا جاتا ہے۔

اب تصوف جس کو احسان بھی کہا جاتا ہے اس پر غور کرنا چاہیے احسان کے دو نصف یا دو حصے ہیں یا صاحب احسان کے لئے فضائے توحید میں پرواز کرنے کے واسطے دو پنکھ یا پر ایک توحید دوسرے رسالت

کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے ایک پرندہ ایک ہی پنکھ سے نہیں پرواز کر سکتا اسی طرح موحد بلا تصوف کامل ایک پنکھ کا پرندہ ہے جو فضائے توحید میں اڑ ہی نہیں سکتا۔ پھر ایسا شخص جو فضائے توحید میں اڑ ہی نہ سکتا ہو اوسکی پرواز ثابت ہی نہ ہوا سے توحید سے کیا لگاؤ اور کیا مناسبت اور کتنی دلچسپی اور کسقدر انہماک ہوسکتا ہے ظاہر ہے پھر ایسے موحد کا دعوے کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔

مانا کہ موحد توحید کا قائل ہی نہیں بلکہ عارف اور شاہد ہے۔ تو اس طرح قائل ہونے سے حسب ذیل امور معقول ہوکر اون کا لحاظ موحد صاحب کے ذمہ ہو جاتا ہے:۔

موحد زیادہ سے زیادہ اپنے وجود کو خدا کا وجود اور اپنے آپ کو خدا بصورت بندہ مانیگا۔ موحد بحیثیت اس کے کہ وہ وجود کا پتلا ہے اور اپنے آپ کو وہ واجد و موجد سمجھتا ہے اور اوس کی امنگ الوہیت نے اوسے تبع شریعت ہونے سے باز رکھا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ اوسکی حماقت نفسی ہے۔ جب تک اوس کی اس حماقت ذاتی کا خاتمہ نہ ہوگا جبتک اس سفاہت کا انسداد نہ ہوگا توحید اوس پر روشن نہیں ہوسکتی۔ ہم نے حماقت یا سفاہت کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موحد صاحب اپنے آپ کو اپنی مابہ الموجودیت کے ساتھ ہی سہی، خدا یا موجد سمجھ رہے ہیں صرف اتنا سمجھ لینا کافی نہیں۔ خدا یا تو منزہ عن التعیّن ہوگا یا موصوف بہ تعینات متعددہ ہوگا۔ اگر بلحاظ تنزیہہ خدا کو سمجھیں سمجھ لینے

کی صفت یا سمجھنے کا تعین بھی اوس کے لئے ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر متعین بہ صفات کثیرہ مانیں یا سمجھنے کا تعین مانینگے تو ضرور اوس کے لئے تمام صفات ثابت ہونگے۔ میں صرف ایک صفت حکمت کو لیتا ہوں جو سمجھنے کے مختلف شعبوں پر حاوی ہے۔

جب اوس حقیقت مطلقہ کے لئے حکمتہ مان لینگے تو اوس کا نام حکیم قرار پائیگا۔ حکیم کا کوئی کام بلا حکمتہ کے نہیں ہوا کرتا۔ پس تخلیق بغیر حکمتہ نہیں ہوئی۔ موحد صاحب جب خود کو وجود واجد و موجود مانتے ہیں تو اونھیں اپنی حکمتہ کو بھی ماننا چاہیئے۔

جب ظہور بصورت عبد بلا قید حکمت نہیں۔ اور انزال کتب و ارسال رسل بھی پابند حکمتہ رہا ہے۔ اور موحد صاحب جب وجود کو اپنا وجود خود کو واجد و موجود سمجھتے ہیں اپنی اس حکمتہ کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے پس لازم ہوا کہ شریعت کے جو اوامر و نواہی ہیں واجد سبحانہ کے ہیں اور موحد صاحب خود کو واجد و موجود جانتے اور مانتے ہیں انھوں نے ہی نبی صلعم کی صورت میں ان اوامر و نواہی کو پیش کیا ہے اور اونھیں نے امتہ کی شکل میں ظہور کرکے مخاطب ہونا گوارا کیا ہے تو اونھیں شریعت کو اپنی حکمتہ ضایع نہ ہونے کے لئے تو ضرور ماننا اور اوامر کی تعمیل نواہی سے احتراز و حذر کرنا اور اپنے جمیع فرامین مبنی بر حکمتہ کی اطاعت لازماً کرنا چاہیئے۔ اگر انھوں نے اس سے باوصف اس کے کہ وہ جانتے ہیں کہ انکی حکمتہ ضایع جائے گی۔ شریعت سے روگردانی کی تو یہ حکمتہ نہ ہوئی سفاہت

وحماقت ہوئی۔

اگر وہ اس سفاہت وحماقت کو نہیں مانتے بلکہ اعراض عن الشریعت کو بھی مبنی برحکمتہ تصور فرماتے ہیں تو پھر افعال مبنی برحکمت کے دو اعتبار ہونگے یا تو وہ افعال خیر ہونگے یا شر۔ یا وہ محمود ہونگے یا مذموم۔ اور حکیم نے جس حکمتہ کی بنا پر انبیاء وشریعت کو مبعوث ونازل فرمایا ہے اوس کا منشا یا تو ذمایم ہونا چاہیئے یا محامد۔ اگر ذمایم مانیں گے تو انبعاث وارسال انبیا ورسل اور انزال کتب فضول ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ذمائم بلا ارسال وانزال انبیا وکتب ہی کسی خلل کے بغیر ترقی کرسکتے تھے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے اس حکمتہ کا منشا محامد کی تبلیغ ہے۔ تو کتب وشریعت محامد کے حصول کے لئے لازمی قرار پائے اور جو اس کو اختیار کرے گا محمود ہوگا سعدا، سے ہوگا۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بلا اس کے محامد حاصل نہیں کئے جاسکتے اور سوا شریعت کے سب ذمایم ہیں رزائل ہیں تو تارک شریعت کا ترک مذموم قرار پایا۔ شقاوت ہوئی سعادت نہ ہوئی۔ پس شریعت سے روگرداں شخص شقی ہوا سعید نہ ہوا۔ اب رہی توحید یا تو ایک مذموم امر ہونا چاہیئے یا مسعود۔ مذموم تو ہو نہیں سکتی کیونکہ موحد صاحب خود مخالفین توحید کو اشقیا، مانتے ہیں ذمیم ورزیل سمجھتے ہیں تو ثابت ہوا کہ توحید ایک مسعود امر ہے۔ پس تارکِ شریعت جب ذمیم ہے شقی ہے تو وہ موحد نہ ہوا۔

ایک اور بات یہ ہے کہ اگر ہم بفرض محال شریعت کے ترک کو مسعود

مان بھی لیں اور ہم موحد صاحب سے توحید کی تعلیم پانا چاہیں تو وہ آخر کن دلائل سے توحید کو ہمارے ذہن نشین کر سکینگے۔ اگر ترکِ شریعت مسعود ہے اور شریعت کی پابندی غیر مسعود تو لائیں ہم اشقیاء اوس کے مستحق ہیں ہمیں دیدیں اور پھر شریعت کو چھوڑ کر قرآن و حدیث ہمارے حوالے کر کے توحید کو منوائیں۔ ہم بھی دیکھیں کہ کیسے منوا سکتے ہیں۔ دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو موحد صاحب اپنے جانب سے اپنی گفتار میں توحید کو پیش فرمائیں گے۔ تو ہمارے لئے اون کو واجب التعظیم و قابل التعلیم ہستی سمجھنے کی بنا کیا ہوگی۔ کوئی ہمارے امام یا مقتدا یا نبی تو نہیں ہیں۔ اب دوسری صورت رہی بزرگانِ سلف کے اقوال کو پیش کر کے منانے کی فکر کیجائیگی تو بزرگانِ سلف کے کوئی اقوال پہلے تو خلاف شریعت نہیں ہیں۔ اگر وہ کسی ایسے بزرگ کے اقوال پیش کریں تو ہم انھیں بزرگ ہی کیونکر مانیں گے۔ کوئی وجہ نہیں کہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں ہم ایسے بزرگ تارک الشریعت کے اقوال کو ترجیح دیکر مان لیں۔ اور نہ وہ ہمارے امام و مقتدا ہونے کی صلاحیت و قابلیت رکھتے ہیں کیونکہ ہمارا اون کا مذاق متبائن ہوگا۔ ہم شرعی ذوق رکھنے والے وہ غیر شرعی۔

ایک اور چیز یہ ہے کہ موحد صاحب اگر کسی مسلمان کے گھر ظاہر ہوئے ہیں اور کسی مسلمان سے توحید کی تعلیم پائے ہیں تو ضرور وہ توحید کی دلیل کلمہ طیبہ پیش کرینگے۔ کیونکہ کلمۂ طیبہ ہی سے انھوں نے توحید کی تعلیم حاصل کی ہوگی۔ اور اول سبق توحید کا کلمۂ طیبہ ہی ہے۔ پس جبکہ کلمہ طیبہ لا

اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے اور اس سے مراد الوہیت
الٰہ اور رسالت رسول ہے اور موحد صاحب کا ایمان ہی اس پر ہے
تو لازمی ہوگا کہ وہ رسول کی رسالت پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اوس کی
پیش کردہ شریعت کے بھی قائل اور اوس پر عامل ہوں ورنہ اونکا ایمان
کلمۂ طیبہ پر نہ ہوا اور خود مومن و موحد نہ ہوئے۔

اگر موحد صاحب کلمۂ طیبہ کے دو جزو کرکے ایک سے مراد تنزیہہ
باری دوسرے سے مراد تشبیہہ حق لیں اور پھر تشبیہہ کے پیش کردہ امور کو
ٹھکرادیں تو وہ محض تنزیہہ کو ماننے والے ہوئے تشبیہہ کو نہیں۔ پس ایسا
شخص جو محض تنزیہہ کو مانتا ہو تشبیہہ کو نہیں مانتا ہو تو وہ موحد نہ ہوا۔ مفید
ہوا۔ یہ الحاد و زندقہ ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

فان قلت بالتنزیہ کنت مقیداً وان قلت بالتشبیہ کنت محدداً
وان قلت بالامرین کنت مسدداً وکنت اماماً فی المعارف سیداً

بدیں صورت موحد صاحب کو اگر وہ تنزیہہ و تشبیہہ دونوں کے
احکام و آداب کا لحاظ اونکے لئے لازمی قرار پائے گا اور وہ کسی طرح
شریعت کے چنگل سے نہیں چھوٹ سکتے۔ اگر پھر بھی وہ شریعت کی پرواہ
نہ کرتے ہوں تو یہ اونکی اپنی قابلیت و استعداد ہے۔ مگر بادی النظر میں تو
حق کی اس حکمت کا منشا، اظہار شقاوتِ شقی ثابت ہوتا ہے اور وہ شقی وسفیہہ
ہوں گے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ جب موحد صاحب اپنے وجود کو مانتے

ہیں تو لازمی طور پر اپنے وجود کے سارے صفات کو مانتے ہونگے ازانجملہ وجود کی قدرت اور تخلیق خلایق وتکوین کائنات کو بھی مانتے ہونگے۔ پس ایسی صورت میں اون کا ملائک، کتب ورسل، قدر خیر وشر کا منجانب وجود ہونا اور بعث بعد الموت اور یوم آخرت کو بھی ماننا ضروری ہوگا۔ جنت و دوزخ سے انکار بھی نہ کرسکیں گے کیونکہ یہ سب اون کا ہوگا اون کے علم وحکمت کے تحت ہوگا۔ پھر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ وہ شریعت سے بری کیسے ہوسکتے ہیں اور پھر شریعت سے بری ہوکر کہاں کے ارادے رکھتے ہیں، آیا دوزخ کے یا جنت کے۔ اگر دوزخ وجنت کو اور جزا وسزا کو عذاب وثواب کو خیال کا تمثل ہی مانا جائے تو ہم پوچھیں گے کہ اون کے خیالِ مبارک کا تمثل ثواب ونعیم ہوگا یا عذاب اور اوسکے تکلیفات وشدائد۔

ہاں ہمیں معلوم ہے کہ موحد صاحب یہ کہیں گے "ہم موحد ہیں اور ہماری آنکھ ذاتِ حق یا حقیقتِ مطلقہ پر ہوگی" ہم کہیں گے کہ حقیقت مطلقہ کی حکمتہ ازلی کا منشاء ایک تارک شریعت کے خیال کا تمثل عذاب اشد وابقیٰ کا سا ہونا متعین ہو اور اس حال میں جب کہ یہاں ایک بچھو تو کیا کھٹمل کی کاٹ کو برداشت نہ کرسکتے ہوں اور اسی طرح وہاں بھی پریشانی ہوگی، اور عذاب اشد کی پریشانی بھی اشد ہوگی تو کیا ان کا عرفان وشہود باقی رہے گا اور انکی آنکھ حقیقت پر جمی رہے گی۔ جب کہ ایک معمولی کھٹمل، چیونٹی یا مچھر کو اوسکے کاٹنے کی وجہ سے زندہ نہیں چھوڑتے

اور اپنی حکمتہ' اپنا عرفان اور شہود سب کچھ بھولجاتے ہیں تو اوس عالم میں جبکہ پریشانی تکلیف اور عذاب اشد ہوگا اپنا شہود بحق کیسے سنبھالے رہیں گے۔ کیا میں موحد صاحب کو اونکی کسی حکمت کے تحت نافذ کیا ہوا فرمان وانیبوا الی ربکم واسلموا لہٗ من قبل ان یاتیکم العذاب ثم لاتنصرون کو یاد دلاؤں' یا کذالك نجزی من اصرف۔ ولم یومن بایات ربہ۔ ولعذاب الاٰخرت اشد وابقیٰ کو یاد دلاؤں؟ کیا موحد صاحب کو اپنی وہ حکمتہ بالغہ یاد نہیں ہے جس کے تحت کہا تھا ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃً ضنکاً و نحشرہٗ یوم القیامۃ اعمیٰ۔ کیا یہ یاد نہیں ہے کہ ایسا شقی صورت یہ کہے گا کہ رب لما حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا۔ اور جس کے جواب میں حکیم علیم یہ کہے گا کہ اتتك اٰیاتنا فنسیتھا وکذالك الیوم تنسیٰ۔ یہ ان کے لئے نہیں تو پھر کس کے لئے تھا۔

ایک اور امر اس عنوان سے متعلق پیش ہو رہا ہے۔ تو جہاں بے سروپا باتوں سے اتنے کاغذ سیاہ کر دئے گئے وہاں یہ بھی مذکور ہو جائے تو چھوڑ دئے جانے سے اچھا ہے۔

دنیا عالم اسباب ہے اور ہر شخص کی نظر اسباب پر ہوتی ہے۔ اسباب بعض وقت موافق منشا ہو جاتے ہیں اور بعض وقت موافق منشا اسباب کا بننا دشوار ہی نہیں بلکہ محال ہوتا ہے۔ جیسے اولاد کے لئے ازدواج کا تلازم

اسباب توالد سے ہے مگر بہت سی ایسی نظیریں ملیں گی کہ کسی نے دو دو بار نکاح کیا مگر توالد نہ ہوا، وجہ تناسل بہت ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وطی و توالد محتاج کثرت وطی و تناسل نہیں، اور پھر اس سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وطی جو توالد کے ظاہری اسباب سے ہے اس وقت تک مفید منشا نہیں ہوتا جب تک کہ توالد کی قابلیت نہ ہو۔ پس جہاں جذبہ شہوت مشتعل ہو کر حرکت پر مجبور کراتا ہے توالد کا جذبہ بھی برابر جاگ جائے۔ طرفین سے یہ بات ہو تو اس کا لازمی نتیجہ نتیجہ یا دلد ہوتا ہے۔ اب ان دونوں کا ساتھ ساتھ جاگنا قوت بشری سے باہر ہے۔ اس کے لئے قابلیت ازلی درکار ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس کے بعد بیسیوں اسباب کی کمی اطباء بیان کر سکیں گے۔ پس سبب اعظم اولاد کے لئے ازدواج ہے مگر بعض صورتوں میں یہی ازدواج موافق منشا نہیں ثابت ہوتا۔ تو بالاجمال یوں کہا جا سکتا ہے کہ زوجین نے قابلیت توالد نہیں پائی ہے۔ اور بہتیری ایسی صورتیں ہیں جنہیں اسباب ظاہری موافق منشا ثمر نہیں لاتے تو انسان بے چین ہو جایا کرتے ہیں۔ یہ کم از کم میرے نزدیک اچھی علامت نہیں ہے۔ کیونکہ صَاحِبُ الْغَرَضِ مَجْنُوْنٌ کے مصداق غرض کی دیوانگی انسان کو اندھا بنا دیتی ہے تو پھر ایمان بھی نظروں کے روبرو نہیں رہتا۔ خواہش کی طرف توجہ ہو جاتی ہے اور انہماک بھی تو اس کا لازمہ ہے

کہ ایمان سے غفلت ہو۔

پس جہاں ایسی صورتیں پیش آتی ہیں وہاں ہزاروں آدمیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ کیا خدا اس کو کر نہیں سکتا؟ اگر کسی نے کہدیا کہ اقتضا یہی ہے تو کہدیا جاتا ہے کہ کیا وہ قادرِ مطلق نہیں ہے اس اقتضاء کو بدل نہیں سکتا؟ اعاذنا اللہ تعالیٰ۔

بزرگو! ذرا دیکھو تو اس میدان میں کہیں ایمان نظر بھی آتا ہے؟ یہ اگر بدتر ہے تو اس کا جواب دینا کہ خدا اقتضا کو بدل سکتا ہے یہ بدترین ہے۔

سچ تو یوں ہے کہ کثرت شے بھی وبال جان ہو جایا کرتی ہے۔ علم حقیقت میں ایک نقطہ تھا جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے العلم نقطۃ وکثرھا الجہال۔ جب اسکی کثرت ہوئی تو پھر اس کے فرقے قایم ہوئے۔ فرقہ وارانہ جنگ علم میں بھی ہونے لگی۔ طبیب فلسفی سے منقولی معقولی سے لڑتا ہوا نظر آنے لگا۔

علما و عقلا قضاء الٰہی کو اگر علم الٰہی مان لیتے تو جھٹی ہو جاتی۔ قضائے الٰہی جو دراصل علم الٰہی ہے اس کو ایک الگ چیز قرار دی گئی۔ پھر اسکے شعبے عقلی طریق پر قایم کئے گئے وہ قضا وہ مقتضیات جو بدلے جا سکتے ہیں انکو کہا قضائے معلق اور وہ مقتضیات جو اٹل ہوں اون کا نام رکھا قضاء مبرم۔ اور پھر ایک اختیاری و خود ساختہ عقیدہ قایم کیا کہ قضائے معلق طلب و دعا پر ٹل جایا کرتی ہے یعنی ایسے قابلیات بدل جایا کرتے ہیں

اور قضائے مبرم پر طلب یا دعا کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بات تو معقول معلوم ہوتی ہے مگر کیا کیا جائے کہ دین شخصی عقول کا پابند نہیں۔

بات اتنی ہے کہ ہر امر کا ظہور اس کا 'طور ظہور' وقت ظہور' محل ظہور' تعلقاتِ ظہور سب کچھ علم الٰہی میں ہوتا ہے۔ اور اسی علم الٰہی کا نام قضاء وقدر بھی ہے۔ ایک شخص چاہتا ہے کہ کوتوالِ شہر ہو جائے اور اوس کے بیسیوں تدابیر کئے' آخر کو توالی نہ ملی۔ تو یہاں تدابیر بھی ایک قسم امور سے ہے۔ ان کا ظہور اس طور سے ہوا کہ وقت جس کے ظہور کا مقتضی تھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تعلقات ظہور سے بادشاہی بھی ایک چیز ہے جس کے واسطہ سے کوتوالی عطا ہوتی۔ پس اس واسطہ نے نامنظور کر دیا۔ اور یہ محل جہاں کا وہ کوتوال ہونا چاہتا تھا اس کے موافق نہ تھا۔ چند دن کے بعد کسی اور شہر کی کوتوالی بلا کوشش کئے ہوئے ایک فرمان کے ذریعہ اُسے مل گئی۔ محل ظہور' وقت ظہور اور تعلقاتِ ظہور سب کے سب اس موقع پر مقتضی تھے۔ خود بخود وہ کوتوالی مل گئی۔

دو بیمار ایک ہی مرض میں ایک ہی وقت مبتلا ہو کر رجوع شفاخانہ ہوئے۔ رجوع ہوتے وقت دونوں کے حالات بالکل برابر برابر ایک ہی تھے۔ کمی وزیادتی کسی میں نہ تھی۔ ایک ہی طبیب نے علاج کرنا شروع کیا۔ مرض فالج کا سخت وہلک تھا۔ دونوں مریضوں کی نگہداشت و معالجہ ایک ہی طرز وطور اور ایک ہی حیثیت سے کیا گیا۔ اقربائے مریضین نے حافظوں کی ایک ہی جماعت سے ختم تغابن شریف پڑھوائے۔ خود

دعائیں کئے، تضرع وزاری کئے، دعائیں کروائے۔ دونوں جانبر ہوئے مگر ایک بالکل حسب سابق صحیح وسالم و دوسرا مفلوج ہی رہا اور ناقابل کار و بار۔ یہاں قضائے معلق کونسی تھی جو ٹل گئی اور کونسی قضائے مبرم تھی جو نہ ٹل سکی۔

یاد رکھو علم الٰہی میں جو امر جس طرح جس وقت اور جہاں اور جس شخص سے ظاہر ہونا ہوتا ہے وہ بالکل اٹل ہوتا ہے ہر صورت میں وہی ہوکر رہتا ہے جو ہونا ہے۔ اگر دعائیں اور ختم شریف اس کے ظہور کے متعلقات سے ہوا کرتے ہیں تو ان کا بھی ظہور ہوتا ہے اور یہ ہونی بات مع اپنے اسباب کے معلوم الٰہی ہے اور اٹل۔

یہ بھی یاد رہے کہ اللہ میاں تو پہلے سے بے نیاز ہیں ان کو کسی امر کے ہونے نہ ہونے کی کیا پروا۔ اور جو کچھ بھی ہوا کرتا ہے یہ ان کے فضل و کرم جود و رحم سے ہوتا ہے اور یہ سب اس ذات ذوالجلال والاکرام کے علم کے تابع ہیں۔ اپنے علم کے خلاف ایک ذرہ بھی آپ نہیں ہلاتے اپنی حکمۃ کے باہر ایک رتی بھی کسی کو نہیں دیتے۔ کیونکہ حکمۃ و علم کے خلاف کسی کام کا ہونا ظلم ہے پس اللہ تعالیٰ اس عیب سے بری ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اللہ قادر مطلق ہونے کی وجہ سب کچھ کرسکتا ہے یہ کرسکنے کا مسئلہ بڑا ہی اندیشناک ہے۔ پس اس سے پہلے یہ چاہیئے کہ ان چیزوں سے واقفیت حاصل کرلیں جن سے ذات پاک حق منزہ و مبری ہے اسکو صفات سے اخذ کرنا پڑے گا۔

صفات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ایجابی دوسرے سلبی۔ ایجابی صفات کا نام صفات کمال ہے اور سلبی صفات کا نام نقایص ہے۔ نقایص صفات عبدی ہیں اور کمالات صفات باری۔ اللہ تعالیٰ نقایص سے پاک ہے۔ دوسرے یہ کہ ایجاب کی جگہ سلب کا آنا ظلم ہے اور اللہ ظلم کرتا ہے نہ کسی کا ظلم اوس پر موثر ثابت ہوتا ہے ان دونوں سے بری تیسرے یہ کہ ایجاب کہ ضد سلب بمنزلہ عدم ضد وجود کے ہے۔ اور عدم قدرت کو عجز کہتے ہیں اور عدم قدرت سے عجز، قدرت ہوا کرتی ہے تو بمصداق العجز عن عدم القدرت قدرت۔ اللہ کا ظلم کرنے سے عاجز ہونا جبکہ ظلم عدم انصاف کو کہتے ہیں اور اللہ منصف ہے تو وہ قادر مطلق ہے انصاف پر اور عدالت پر قدرت تمام قدرت ہے جیسے معدوم ہونے پر قدرت رکھنا تو عین عجز ہے اور کسی کا صفت سلبیہ سے موصوف گردانا عدم میں لیجانا اور معدوم عاجز و ظالم کہنا۔ جاننا اور ثابت کرنا ہے۔ ایسے موقع پر خدا ظلم نہیں کرسکتا کہنا ہی زیادہ ایمان کی بات ہے اور معقولی عقیدے کے تحت قادر ہے تو سب امور پر پس کذب و ظلم وغیرہ پر قادر نہ کہا جائے تو بے ایمانی ہوگی سمجھ لینا اور کرسکتا تو ہے مگر نہیں کرتا کہنا مذبذب ایمان ہے اور ایمان کوئی مذبذب امر نہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھو کہ ہر حرکت اس عالم میں ایک واقعہ ہے۔ ہر واقعہ کو ظہور کسی نہ کسی صفت کے ظہور سے ملتا ہے اور ہر ایسا ظہور معلومۂ الٰہیہ ہے۔ پس ہر معلومۂ الٰہیہ کے ظہور پر تعین انسانی میں علم کی ایک تجلی ہوتی ہے

جس سے اس عالم کے واقعات محسوس ہوتے اور معلوم کئے جاتے ہیں۔ تو اسکو ہم کسی امر کا احساس و علم ہونا کہتے ہیں۔ پس اس علم کا احساس یا ایسا علم ہونا علم الٰہی کی ایک تجلی پر موقوف مبنی و منحصر ہے۔ کسی شخص میں جب علم الٰہی کی ایسی تجلی ہوگی اور جس قسم کا احساس یا علم ہوگا وہ صورت ہوگی اُس امر خاص کے علم کی اور یہ صورت علمیہ یا اس طرح علم کا متمثل و متعین ہونا دو حال سے خالی نہ ہوگا یا تو وہ کسی امر کے ارادہ کو مشتعل کرے گا یا اوس کے ارادے کو دبائے گا اور اضطرار کو جگائے گا کیونکہ علم و ارادے کا تعلق بہت گہرا اور قریبی ہے یعنی ارادہ علم باری کی تجلی کے ایک صفت کا نام ہے جو مقتضیات ذاتی کے مطابق ہو۔ اور کسی انسان میں یہ ارادہ بھی اگرچہ ارادۃ اللہ کی تجلی سے ہی ہوتا ہے مگر تحت و تابع قابلیاتِ عباد یعنی معلوماتِ الٰہیہ ہوا کرتا ہے پس جبکہ ارادہ یا اضطرار مشتعل ہوتا ہے تو اس کے نو مراتب ہوتے ہیں۔ مرید جس مرتبہ ارادہ یا اضطرار پر ہوگا اُس کے اثر اُس پر مرتب ہونگے۔

جہاں ارادے کے نو مراتب میل[1] و دلع[2] و صبابت[3] و شغف[4] و ہوی[5] و غرام[6] و حب[7] و ود[8] و عشق[9] ہیں وہاں اضطرار کے بھی نو مراتب عدم میل و عدم دلع و عدم صبابت و عدم شغف و عدم ہوی و عدم غرام و عدم حب و عدم ود و عدم عشق یا عداوت ہیں۔ اور جبکہ باطل کے مقابلہ میں اضطرار اپنے انتہائی مرتبہ پر مضطر کو پہونچا دیتا ہے تو اس سے مضطر کو حق تعالیٰ حاصل ہوتا ہے اور جبکہ مضطر حق کے مقابلہ میں انتہائی مرتبہ

پررسائی حاصل کرتا ہے تو کفر و باطل اسکو ملتے ہیں کسی شے کا ارادہ اگر مشتعل ہو کر منزلِ عشق پر پہنچ جاتا ہے تو مرید و مراد کا تعلق جسم و جان سا ہو جاتا ہے۔ جان جس طرح متجلی ہوگی ویسے ہی اثرات جسم پر مرتب ہونگے۔ مرید کا جو حال ہوگا مراد پر وہی اثر ظاہر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ کفر سے انتہائی نفرت و عداوت جہاں ہوگی چونکہ کفر عدم ایمان ہے اور عداوت انتہائی عدم عشق ہے کسی کے عدم کا عدم کسی کا وجود ہوگا بدیں وجہ عدم ایمان کا عدم عین ایمان ہوتا ہے۔

جب کسی شخص کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اوسکی حالت موجودہ کسی دوسری اس حالت سے اچھی حالت میں مبدل ہو تو اس کے بدلجانے کیلئے قابلیت شرط ہے۔ قابلیات کا ہونا نہ ہونا مراتب ارادہ سے ظاہر ہوسکتا ہے کیونکہ قابلیات علم الٰہی کا نام ہے اور ارادہ تجلی علمی سے متعلق جب تک قابلیت ایسی نہ ہو کہ کسی کی کوئی حالت بدلجانے تو اوسکا بدلجانا محال ہوتا ہے۔ اسکو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔ پس ہر شخص کو اپنی کسی حالت کے بدلنے کا خیال ہو تو مراتب ارادہ کی نگہداشت کرے اور عشق کی منزل تک پہونچے جو ارادہ کی انتہائی منزل ہے تو پھر اوس امر کا حصول یا ظہور لابدی منجانب اللہ ہے۔ کیونکہ جو امور علم میں ہونگے اون کا ظہور عالم میں ضرور ہوگا۔ حضرت سیدنا عبدالکریم جیلی نے کتاب الانسان کامل میں لکھا ہے

اعلم ان العالم المحسوس فرع لعالم الخیال اذ ھو

ملکوتہ فما وجد فی ملکوت لابد ان یظہر فی الملک منہ بقدر القوابل والوقت والحال۔

ذاتِ باری اور ماسویٰ

علم الٰہی کا جسقدر بھی ذکر ہوا اس سے حقیقت عبد و رب کا روشن ہونا آسان ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ ایک ذات عالم کی ہے جو موجود بذات خود ہے۔ وجود اُس کا اپنا خاص ہے۔ دوسرے ذوات ماسوی یا عالم کے ہیں جن کا کوئی وجود یا ہستی نہیں البتہ وہ ثابت ہوے ہیں علمِ موجود و عالِم میں اس لئے ان کو ثابت الذات و مسلوب الوجود کہیں گے۔ ذاتِ باری کی شانِ ہستی فہم و ادراک سے بالاتر ہے کہ اوس کو کماحقہ سمجھ سکیں وہ انسانِ کامل جسکی ہستی سے عالم ہے جسکی قوت حدوکہ کے لئے افلاک و آفاق کے کوئی حجاب مانع نہ ہوں جس کے آنکھ کی تعریف مازاغ البصر وما طغیٰ جسکے ادراک کا وصف ماکذب الفواد ومارأی جس نے حقیقت عبد ورب کو سمجھا اور خود آنکھ سے جا دیکھ آیا اور اپنے غلاموں کو سمجھا یا یوں ارشاد فرمایا ماعرفناک حق معرفتک یعنی جو کچھ ہم نے تجھکو سمجھا وہ علی سبیل الاستعداد تیری معرفت تو ہوئی مگر استعداد عبدای چونکہ ناقص ہیں تیری معرفت کماحقہ نہ ہو سکی۔

بہر حال ذواتِ عبد کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کچھ ہنیں ہیں سوائے اس کے کہ علم الٰہی کے نقوش خیالی ہیں۔ حضرت شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ

ارشاد فرماتے ہیں :-

سب نقشِ خیالی ہیں کعبہ ہو کہ بت خانہ
میں تجھ میں ہوں تو مجھ میں اے جلوۂ جانانہ

اس کو اور بھی ایک طریقے سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ ذرا غور فرمائیں کہ آپ ایک عمارت کا خیال کرتے ہیں یا یوں کہئے کہ ایک عمارت آپ کے ذہن میں آتی ہے تو ہیئت تعلق و سیرت کو لیکر۔ مگر آپکے ذہن کو اوسکے تعلق و سیرت پر کامل عبور نہیں ہوتا۔ یا آپ اُن پر حاوی نہیں ہوتے یہی فرق آپ کے اور جناب باری کے علم میں ہے۔ اور یہ کوئی معمولی سا فرق نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ قطب شاہی زمانہ میں ایک عمارت تعمیر ہوئی تھی مثلاً چار مینار حیدرآباد آج آصفجاہی حکمراں کا اوس پر قبضہ ہے شاید اوس قطب شاہی بادشاہ کے ذہن میں کبھی بھی یہ تعلق اس عمارت کا نہ آیا ہو۔ یہ تو علم الٰہی کا حق تھا۔ وقت علم کے جسقدر مظاہروں کا مقتضی ہوتا ہے اوتنے ہی علم کا ظہور ہوا کرتا ہے۔

شاہجہاں نے اپنی بیگم ممتاز محل کی قبر پر ایک بیش قیمت مقبرہ تیار کروایا جس کی نظیر آج دنیا پیش کرنے سے عاجز ہے۔ آج اوس مقبرہ پر بھی مغرب کی ایک قوم کا قبضہ ہے۔ شاید یہ امر کبھی شاہجہاں جیسے طاقتور بادشاہ کے ذہن میں نہ آیا ہو۔ خیر نفس معاملہ یہ ہے کہ ایک عمارت ذہن میں ثابت ہوتی ہے تو ایک نقشِ خیالی کی طرح۔ جب اوسکی تعمیر ہو لیتی ہے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ تعمیر شدہ عمارت وہی اصلی عمارت ہے جو

اوس کے ذہن میں نقش خیالی کی طرح ثابت ہوئی تھی کیونکہ اوس نقشِ خیالی کا کسی طرح موجود فی الخارج ہونا ممکن نہیں۔ البتہ پتھر، چونا، اینٹ مٹی بہر حال تعمیر عمارت کے سارے ضروری اجناس جو پہلے موجود تھے وہی اب بھی موجود ہیں مگر ایک شکل لئے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے وہ عمارت کالعدم ہو جاتی ہے۔ تو دیکھے ہوئے لوگوں کے ذہن سے تو کالعدم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ عمارت اپنی اصلی شان سے وہاں بھی ثابت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں یا نہیں کہ سینکڑوں مٹی ہوئی عمارتوں کا بہت سے دیکھے ہوئے لوگ خاکہ بیان کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں۔ بات کیا ہوگی؟ یہی کہ اون کے ذہنوں میں وہ عمارت ابتک صحیح وسالم ثابت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اصلی اور لازوال عمارت نقشِ خیالی ہے۔ بلا تمثیل اسیطرح علم الٰہی میں سارا عالم اور اوس کے تمام لوازمات اپنی ہیئت تعلق اور سیرت کو از ازل تا ابد لیکر ثابت ہوئے اب بھی ہیں اور ابد الآباد تک رہیں گے۔

ظہورِ حق بصورتِ خلق

چونکہ حضرت علیم والعلام کے علم میں عالم ایک نقشِ خیالی اور غیر موجود شے تھا اُس عالم کے ہیئت تعلق وسیرت میں ازل سے ابد تک وہ تمام امور داخل تھے جن میں سے کچھ ہم دیکھ رہے ہیں۔ عالم کے تمام اشیا میں بہت سے صفات بعض میں بعض بالقوی اور بعض میں بالفعل ہر ایک کی سیرت میں داخل تھے۔

عالم جیسے غیر موجود شے کا اپنی ذات سے موجود ہو کر اوس کے ہر ہر فرد کے صفات ثابتہ علم الٰہی کا ظہور محال تھا۔ جیسے کہ آپ جہاں آپ سے خالقیت کی شان کا کہیں ظہور ہوتا ہے یا آپ پر اسم صانع یا خالق کی تجلی ہوتی ہے تو آپ آپنے علم میں ثابت شدہ کسی شے کے بنانے میں موجود ہیں عالم میں سے بعض پر ہاتھ مارتے ہیں اور اونکی مدد سے اوس کو موجود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ شے موجود ہوگئی۔

جناب باری عز اسمہ کے سوا موجود کوئی شے نہ تھی اور جب اللہ نے چاہا کہ عالم اور اوسکی تمام کائنات کو خلق فرمائے تو وہ کہیں آپ جیسا محتاج تو نہ تھا جو کسی شے کی مدد اوسے درکار ہوتی۔ دوسرے یہ کہ دوسری کوئی شے موجود ہی نہ تھی تو وہ کس شے کی مدد لیتا۔ پس جب اوس کا ارادہ موجود کرنے کا ہی ہوا اور بمصداق سبقت رحمتی علی غضبی اوس کے ہر قسم کے صفات غضبیہ پر اوسکی رحمت عام نے چھا لیا تو اوس نے اپنی قدرت کاملہ کا ایک اونی مظاہرہ دکھانے کیلئے خود اون اشیاء عالم کی صور و اشکال لیکر ظاہر بطریق اعیان ممکنہ خارجی ہوگیا اور ارشاد فرمایا وما خلقنا السموات والارض وما بینھما الا بالحق (پ ۱۴ ۶ رکوع) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ (پ ۱۴، رکوع)

حضرت مخدوم علی مہائمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (کیف وانما خلقا) بالحق

رای بظہور نور وجودہ واذالم یتصور من غیرہ خلقہما
ولاظہور النور من وجودہ فیہما۔ یعنی زمین وآسمان جس سے
مراد تمام عالم ہے فی الحقیقت اس کو حق سے پیدا کیا یعنی اپنے وجود
کے نور کے ظہور سے تاکہ انکی تخلیق میں غیر کا تصور تک نہ ہونے پائے
اور نہ غیر کے وجود کے نور کا ان میں ظہور کی حیثیت سے۔ اور اللہ برتر
ہے اس سے کہ اوس کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ اور تفسیر روح البیان
میں الا بالحق سے مراد الاخلقا ملتبسا بالحق والحکمۃ لا
بالھلا وعبثا اوللحق والباء توضع موضع اللام یعنی لینظر
عبادی الیہما فیعتبروا ؎

دو چشم از پی صنع باری نکوست　　زعیب برادر فروگیر و دوست
در معرفت دیدۂ آدمیست　　کہ بکشودہ بر آسمان و زمیست

اسی تفسیر میں سورہ نحل کی ابتدائی آیتوں میں سے اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ
اَنَا فَاتَّقُوْنِ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے فَاتَّقُوْنِ پس ترسید از من
و جز مرا پرستش نکنید ؎

مرا بندگی کن کہ دارا منم　　تو از بندگانی و مولے منم

وفی الایۃ دلالۃ علی ان الملائکۃ وسائط بین اللہ وبین
رسلہ وانبیائہ فی ابلاغ کتبہ ورسالاتہ وانہم ینزلون
بالوحی علٰے بعضہم دفعۃ فی وقت واحد کما نزلوا بالتوراۃ
والانجیل والزبور علے موسے وعیسے وداؤد الخ آگے چلکر لکھا

ہے وان المقصود الاصلی فی ذلك اعلامهم الناس بتوحید
اللہ تعالیٰ وتقواہ فی جمیع ما امربہ ونہی عنہ آگے چلکر لکھا ہے
والاشارۃ ینزل الملائکۃ بالروح من امرہ بالوحی وبما
یحیی القلوب من المواهب الربانیۃ من امرہ اے من امر اللہ
وامرہ علے وجوہٍ منها ما یرد علے الجوارح بتکالیف الشریعۃ
ومنها ما یرد علی النفوس بتزکیتها بالطریقۃ ومنها ما یرد علی
الارواح بملازمۃ الحضرت للمکاشفات ومنها ما یرد علے
الخفیات بتجلی الصفات لافناء الذوات علی من یشاءُ
من عبادہ من الانبیاء والاولیاء ان انذروا انّہ لا الٰہ الّا
انا ای اعلموا اوصاف وجودکم بیذ لها فی انانیتی ان لا
الٰہ الّا انا فاتقون ای فاتقوا عن انانیتکم بانانیتی آگے چل کر
لکھا ہے واما بالحق عن نفسہ والاول ہوالاتقاء باسناد
النقائص الی نفسہ عن اسنادها الی الحق سبحانہ فیجعل
نفسہ وقایۃ للہ تعالیٰ والثانی ہوالاتقاء باسناد الکمالات
الی الحق سبحانہ عن اسنادها الی نفسہ فیجعل الحق
سبحانہ وقایۃ لنفسہ والعدم نقصان والجود کمال فاتقوا
اللہ حق تقاتہ بان تضیفوا العدم الی انفسکم مطلقا ولا
تضیفوا الوجود الیها اصلا ۔ وتضیفوا الوجود الی اللہ مطلقا
ولا تضیفوا العدم ۔ الیہ اصلا فان اللہ تعالیٰ موجود انما

ازلا وابدا سرمدا لایجوز فی حقه العدام اصلا ونفوسکم من حیث هی هی معدومة دائما وازلاً وابدا وسرمدا لایجوز فی حقها الوجود اصلا وطریان الوجود علیها من الحق تعالیٰ لا یوجب وجودها اصلا من حیث هی هی عند هذا الطریان علی عدمها الاصلی من حیث هی دائما مطلقا فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا ؎

گر تو لی جملہ درفضائے وجود | ہم خود انصاف دہ بگو حق کو
در ہمہ اوست پیش چشم شہود | چیست پنداری ہستی من و تو
پاک کن جامی از غبارِ دوئی | لوحِ خاطر کہ حق یکیست نہ دو

اور آگے چل کر بالحق کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے اے بالحکمة والمصلحة لا بالباطل والبعث ونعم ما قیل ؎

انما الکون خیال | وھو حق فی الحقیقة

ویقال جعل اللہ الارواح العلویة والاشباح السفلیة مظاھرا فاعیله فھو الفاعل فیما یظھر علی الارواح والاشباح۔

دوسری وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اشیاء عالم کے مقتضیات جن کا ظہور عالم خارجی میں ہونا ضروری تھا وہ بعلم علیم کچھ ایسے ثابت تھے گویا کہ کسی کامل الصفات ہستی کے صفات سے ہیں یا کسی ذات موجود کے صفات میں سے ہیں مثلاً دیکھنا' سننا' بولنا' جاننا' ارادہ کرنا' کسی

امر پر قدرت و دستگاہ رکھنا' زندہ ہونا یعنی جینا۔ اسی قسم کے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں اور صفات جو رات دن اپنے آپ سے ظاہر ہوتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں ایسے صفات کا ظہور ایک مسلوب الوجود سے اسی وقت ممکن تھا جبکہ کوئی ایسی شے یا ذات اس قسم کے عالم کی شکل و صورت لیلے ورنہ اون صفات کا ظہور و شعار ہی نہیں بلکہ ناممکن و محال تھا۔ پس ذات باری سبحانہ تعالیٰ نے بمصداق اوس مصرعہ کے جو قدوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

اس عالم کے تمام اشیا، یہاں تک کہ ذرات عالم کو بھی اپنے وجود سے سرفراز فرما کر عالم اطلاق سے تقیید میں آگیا مگر اس شان سے کہ مطلق رہ کر مقید ہے اور مقید رہکر مطلق یعنی گرفتاری میں آزاد اور آزادی میں گرفتار ہے۔

یاد رہے کہ اس طرح ان تمام اشکال کو لئے ہوئے رونق افروز بازار عالم ہونے کا سبب یہ تھا کہ اعیان و اشکال ثابتہ علم کو جیتے جاگتے پتلے بنا کر چلائے پھرائے اور اُن سے اُن تمام اعمال کو کرائے جو جو اپنے علم میں انکی سیرت سے متعلق ہو کر ثابت ہوئے تھے۔

یہاں ایک سوال بندیوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ یہہ کہ سیرت عباد من حیث المعلوم مخلوق الہ ہیں یا نہیں؟ قبل اس کے کہ ہم مخلوق الہ ہونے یا نہ ہونے کا کوئی فیصلہ کریں مناسب یہ ہے کہ پہلے مخلوق الہ اگر ہوں تو کیا فوائد و نقایص پیدا ہونگے اسپر غور کریں۔

اجی برادر سوچو۔ جبکہ ہم عبد کو علمِ الٰہی کا ایک نقش خیالی مان رہے ہیں تو ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ذات عبد معلوم الٰہی ہے۔ اگر ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ ذات عبد معلوم الٰہی ہے۔ تو یہ ثابت ہوا کہ عبد کے ہیئت، تعلقات اور سیرت سب علم الٰہی ہیں۔ علم الٰہی کو ہم قدیم مانتے ہیں کیونکہ ذات باری قدیم و ازلی ہے اوس کے سارے صفات بھی قدیم و ازلی ہونگے۔ اگر صفات کو قدیم و ازلی نہ مانینگے تو جدید و حادث ماننا پڑیگا اور یاد رہے کہ جب صفات کسی ذات کے جدید و حادث مان لئے جائینگے تو صفات کا قیام چونکہ ذات سے ہے اور ذات کی شناخت صفات ہی پر منحصر ہے۔ تو اس طرح ماننے سے ذات کا حادث و جدید ہونا لازم آتا ہے العیاذ باللہ ذاتِ باری تو قدیم و ازلی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اسکی کوئی صفت جدید و حادث نہیں ہوسکتی۔ کسی ذات کے کل معلومات کا بحیثیت مجموعی ایک نام علم ہے۔ بلا معلومات کسی نری قوت کا نام علم نہیں ہوسکتا اگر یہ قابل تسلیم ہے تو اس سے بھی یہ بات اخذ کیجا سکتی ہے کہ معلوماتِ الٰہیہ بحیثیت معلوم الٰہی ہونے کے قدیم و ازلی ہیں مگر بحیثیت نقشِ خیالی ہونے کے مسلوب الوجود۔ ہاں یہ ایک معقول بات ہے کہ اگر اس بحث کو ذاتِ عالم سے شروع کریں تو چونکہ ذاتِ عالم پہلے معقول ہوگی اوسکے بعد اوس کی صفتِ علم لہذا اس لحاظ سے عالم و معلوم میں اولیت عالم کی ذات کو اور اخرویت معلوم کیلئے ثابت ہوتی ہے ذاتِ عالم مقدم اور معلوم موخر قرار پاتا ہے۔ پس اس تاخیر کو تاخیر رتبی کہا جائیگا اور اس کا اثر معلوم کے ازلی

اور قدیم ہونے پر کچھ نہیں پڑتا۔

عین کے معنے شے کے ہیں اور اوسکی جمع اعیان آتی ہے۔ اور نقوش خیالی یا اشکال ثابتہ علم الٰہی چونکہ اشکال اشیاءِ عالم ہیں اور ثابتہ علم الٰہی ہیں پس ان کو اعیان ثابتہ کہیں گے۔ اعیان ثابتہ کو اوپر ثابت کیا گیا ہے کہ غیر مخلوق ہیں۔ اگر انھیں مخلوق مانا جائے تو حسب ذیل امور ثابت ہونگے :-

(۱)۔ یہ کہ علم الٰہی جدید و حادث قرار پائے گا۔

(۲)۔ علم الٰہی صفت الٰہ ہونے کی وجہ ذات الٰہ کا جدید و حادث ہونا لازم آئے گا۔

(۳)۔ ذات الٰہ غیر عادل ٹھہرے گی جو نقص ہے اور خدا نقص سے پاک ہے تعالی اللہ عن کل العیوب۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اعیان ثابتہ کے مخلوق قرار دئے جانے سے اونکے مقتضیات کا مخلوق ہونا ثابت ہوگا چونکہ خلق و تکوین میں عالم کی ہر شے ایک دوسرے کے ہم مرتبہ ہے کسی کو مرتبۂ خلق میں دوسرے پر کوئی فوقیت و امتیاز حاصل نہیں ہے۔ اور ظاہری خدمات مختلفہ ہر عبد کے خاص اور اوس کے اقتضائے خاص پر مبنی و منحصر ہیں۔ جبھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک عبد بادشاہ ہے، دوسرا وزیر تیسرا کوتوال، چوتھا سپاہی، پانچواں سائیس ہے، چھٹا خاکروب۔ اگرچہ کہ مرتبہ خلق میں یہ سب آپس میں برابر ہیں مگر مقتضیاتِ ذاتی کا اعتبار کرتے افعال کے مراتب مختلف ہوئے اور ایک کو دوسرے پر فوقیت و فضیلت

حاصل ہوئی۔ اور یہ عین انصاف ہے اگر مقتضیات کو مخلوق مانا جائے تو ظلم ثابت ہوگا۔ رہا ان مقتضیات کے بدلنے پر قدرت قادر یا اختیار الٰہی کی بحث علم الٰہی کے عنوان میں گزری۔ یہاں صرف ایک شعر حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارتاً پیش کر دیا جاتا ہے ؎

بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

علم سے پہلے ارادہ پر بحث کر لینا چاہیئے کیونکہ ہم جبکہ سیرت عبدی یا استعداد عبدی کو مخلوق مانتے ہیں تو علم و ارادہ کا تعلق مغلوب و غالب سا ہو جاتا ہے اور علم کبھی مغلوب ارادہ نہیں۔ ارادہ ایک صفت ہے جس کا ظہور علم کے بعد ہوتا ہے بلکہ کسی اقتضائے ذاتی کے موافق علم کی ایک تجلی کا نام ارادہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا حضرت عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلم ان الارادۃ صفت تجلی علم الحق علی حسب المقتضی الذاتی فذلک المقتضی ھو الارادۃ۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تک کسی کو تحریر کا علم نہ ہو وہ کچھ تحریر کرنیکا ارادہ کرے یہ محال ہے خط لکھنے والا کتابت کا ارادہ اسی وقت کرتا ہے جبکہ اوس کو اوس کا علم ہو۔ ایسا شخص جس کو قلم پکڑنا ہی نہ آتا ہو حروف کے بنانے اور الفاظ کی ترکیب کا اوس کو علم ہی نہ ہو تو وہ کیا ارادہ کر سکے گا۔ بلا تمثیل اسی طرح اگر خدا تعالیٰ کو عباد کا علم اور عباد کے اشکال اور اُن کے تعلقات و سیرت کا علم اوس کو نہ ہوتا تو کیا بنانے کا ارادہ کرتا اور کس کو کیسے بنانے کا ارادہ

فرماتا اور اُس وقت جبکہ کوئی شے ہی نہ ہو جسکے مثل کم از کم بنائے۔
اگر عباد کے تعلقات کا علم پیش از پیش نہ ہوتا تو کس کو کس کا
رشتہ دار یا متعلق بناتا۔ اگر سیرت کا علم پیش از پیش نہ ہوتا تو کس کو کس
کام کے لئے بناتا۔ اور اگر ایسا خیال کر لیا جائے کہ پہلے تخلیق اشیاء کا کام
ہو لیتا ہے اور پھر خدا جس چیز کو جہاں چاہے رکھدیتا ہے اور اوس سے
جیسا چاہے کام لے لیتا ہے تو اس پر غور کیا جائے کہ یہ کمال ہے یا نقص
اور اس سے پیش از پیش علم کا نہ ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ اس سے
تو ضرور یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی خاص شے کے بلا کسی ارادہ کے بنانے
میں بنانے والا اوس امر سے لاعلم ہے جو اوس سے لیا جائے گا۔ مگر
خدا تعالیٰ تو عالم غیب و شہادت ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر شے کے متعلقات و سیرتیں اور ہیئات کا علم ازازل
تا ابد اللہ تبارک و تعالیٰ کو پہلے ہی سے تھا اور یہ کہ علیم علم کے تحت اون امور
کے ظہور کا ارادہ فرماتا ہے اور ظہور کرتا رہتا ہے۔ اور ارادۃ اللہ مغلوب
و مسبوق علم الٰہی ہے۔ چونکہ لاعلمی میں کسی کام کا ارادہ کرنا سفاہت ہے
نادانی ہے اور خدا حکیم و علیم ہے تو کبھی علم مغلوب ارادہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں
ارادۃ اللہ مغلوب علم الٰہی ضرور ہے۔ اگر علم مغلوب ارادہ ہوتا تو یہ ہوتا
کہ خدا جس کو جیسا چاہے بنا لیتا پھر اوس میں جس جس قسم کی تبدیلی چاہتا
اپنے پسند کے موافق کرتا رہتا تو اس سے یہ ہوتا کہ جو شے آج ہوتی وہ اپنی
صورت و شکل متغیرہ کے اعتبار سے کل دوسری ہی شے معلوم ہوتی۔

ایک شخص بادشاہ بنا کر اوتار دیا جائے پھر تخت پر بٹھایا جا کر دوبارہ معزول کر دیا جائے تو یہ امور ہمارے خیال میں بیشک خدا کے کئے سے معلوم ہوتے ہیں۔ کرتا تو سب کچھ خدا ہی ہے مگر اپنے ارادہ کے تحت نہیں بلکہ اپنے علم کے تحت اور اوس کا علم اعیان ثابتہ کے سارے مقتضیات جزئی و کلی کا علم ہے ورنہ ارادہ کے تحت مان لیا جائے تو کوئی امر قرین انصاف متصور و ثابت نہ ہو سکے گا۔

دو شخص ایک ہی نسل سے ایک ہی ملک اور ایک ہی شہر میں پیدا ہوتے ہیں اور نام بھی ایک ہی پاتے ہیں مثلاً عمر ابن الخطاب اور عمر ابن حشام۔ عمر اول الذکر تو ہدایت پا کر خلیفۃ المسلمین امیر المومنین اور فاروق اعظم ہو کر مبشر جنۃ ہوئے۔ عمر ثانی الذکر ہدایت کی ضو کو نہ دیکھے ایمان کے اثر سے متاثر نہ ہو کر رئیس الکافرین ہوا اور راہی جہنم۔ تو اس موقع پر چونکہ مرتبۂ خلق میں دونوں ہم رتبہ ہیں۔ ایک دوسرے میں اتنا اختلاف عظیم دیکھکر ثانی الذکر کو مظلوم سمجھا جا سکتا ہے مگر ایسا سمجھنا ہی ظلم ہے کیونکہ کھڑی اور سم الفار یا سفید سنکھیا کی شکل و صورت وغیرہ ایک ہوتی ہے۔ اقتضائے ذاتی ہر ایک کا مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ سنکھیا زہر مہلک ہے۔ دو شخص ایسے ہیں کہ ایک نے کھڑی کا کھانا پسند کیا دوسرے نے سنکھیا کی خواہش کی۔ پس باعتبار طلب و اقتضاء ذاتی اور بمصداق لَا یَظْلِمُهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ۔ ثانی الذکر اپنا آپ ظالم ہے اور یہ اوسکی خواہش کا قصور ہے۔

باعتبار حقایق علم باری کی ایک خاص نزاکت ہے جسکو سمجھے بغیر لوگ عبد و رب میں کوئی فرق و امتیاز نہیں رکھتے اور اوامر و نواہی یعنی شریعت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور میں نے تو بعض پیران طریقت کو دلیل قرآنی طلب کرنے پر یوں کہتے سنا ہے کہ "اجی قرآن کو بالائے طاق رکھو میرے نزدیک تو نماز و شراب ایک ہے" استغفراللہ العظیم۔

میاں! علم باری اگرچیکہ ایک ہی علم ہے مگر اوس کے دو جزو ہیں ایک علم باری بنفسہٖ یعنی علم بالذات دوسرے علم باری بغیرہٖ یعنی علم عباد و علم ماہیات۔ یہ ہم نہیں کہتے بلکہ متقدمین نے کہا ہے۔ چنانچہ انسان کامل کا مطالعہ فرماتے ہوئے صفحہ (۵۰) باب العلم پر پہونچئے تو دیکھیں گے کہ لکھا ہے اعلم ان العلم صفت نفسیۃ ازلیۃ فعلمہ سبحانہ وتعالیٰ لنفسہ وعلمہ بخلقہ علم واحد غیر منقسم ولا متعدد ولکنہ یعلم نفسہ بما ھو لہ ویعلم خلقہ بما ھم علیہ اور خلق اوس کے غیر ہیں یعنی ذات عبد اور ذات رب میں غیریت حقیقی ہے اور بعض حضرات عبد کے لئے ذات کا لفظ استعمال کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں اور استعمال کرنے والے کو محقق نہیں سمجھتے حالانکہ متقدمین نے ایسا کیا ہے چنانچہ انسان کامل کے صفحہ (۲۳) میں لکھا ہے یدرك منہ کل من الذاتین اور صفحہ (۵۰) میں ہے وبہ نعلمہ و نعلم ذاتنا۔ ان سے ثابت ہے کہ عبد کے لئے لفظ ذات کا استعمال کوئی ناروا نہیں۔ اور اسی خلاف سے بڑھتے بڑھتے ایک ذات کا خیال

کرتے ہوئے قیاسات کو کام میں لاتے ہوئے سب کچھ بالائے طاق کر دیا جاتا ہے۔

ہم نے اوپر کہا ہے کہ عبد اپنی خواہش کے کمال و نقص کی بنا پر اپنے مقتضیات کے قصور و عدم قصور کے مطابق اچھا برا سعید و شقی قرار پاتا ہے۔ پس وہ لوگ جن کا ذکر حضرت رب العزت نے کلام اللہ میں اصحاب یمین و اصحاب شمال کے نام سے فرمایا ہے۔ اسطرح دو گروہ ایک مظاہر جمالی دوسرے جلالی ٹھہرایا۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ علم الٰہی میں اسی طرح اپنے انھیں استعدادات کے ساتھ ثابت ہوئے تھے اور ان کے اون تمام اعمال کو انجام دیکر بمصداق اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَالَ ایک کو پسندیدۂ درگاہ دوسرے کو راندۂ بارگاہ خود ٹھہرایا۔ یہ یاد رہے کہ اس طرح ٹھہرانا اپنی مرضی سے نہ تھا بلکہ یہ یونہی علم باری میں ثابت ہوئے تھے اور یہ انکی ہی مرضی سے تھا جبھی تو جناب رب العزت نے ایک کو پسند کیا اور دوسرے کو ناپسند اور یہ ٹھہرانا کب علم کے خلاف تھا یہ بھی پابند ثبوت ہے۔ اگر جناب باری کا اپنی مرضی سے پسند و ناپسند ٹھہرانا بلا وجہ ثبوت فی العلم مان لیا جاے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی اور اوس کا ازالہ دشوار کیونکہ عباد اللہ ہونے کی حیثیت سے ہر عبد کو اوس کا پسندیدہ ہونا چاہیے اگر اوس نے کسی کو بلا وجہ ناپسند کیا ہے تو ظلم ہوا اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ کے موافق خدا تعالیٰ ظالم نہیں ہے اور کلام اللہ کے اس دعوے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی فعل بلا وجہ ثبوت فی علم اللہ نہیں کیا گیا

ورنہ اوس پتھر کے مقابلہ میں جو نشستِ شاہنشاہ بنا ہوا ہو یا شاہنشاہ کے تاج پر جڑا گیا ہو۔ اوس پتھر کے حق میں جو پاخانہ کے کسی قدمچہ پر لگا یا ہو ظلم ہوتا کیونکہ خلق میں تو دونوں ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں پھر اتنا فرق زمین و آسمان بلا وجہ کیوں۔ ظلم نہیں تو پھر کیا ہے۔ المعیاذ باللہ یہ بھی بلا وجہ نہیں کسی کا قول ہے ؎

قابلیت بجعل جاعل نیست
فعل فاعل خلافِ قابل نیست

یہ اپنی اپنی قابلیت تھی جو ایک انسان بھنگی ہو دوسرا سائیس تیسرا سپاہی چوتھا عہدہ دار پانچواں فوج کا اعلیٰ افسر چھٹا کوتوال شہر ساتواں وزیر اعظم آٹھواں بادشاہ نواں شاہنشاہ بنے۔ بھنگی بھلا شاہنشاہ کی قابلیت کہاں سے لائے اگر اس کی اتنی قابلیت ہوتی تو وہ شاہنشاہ ہی نہ ہوتا۔ ہاں اگر قابلیت ہے تو اوسکے ظہور کا وقت بھی معین ہوگا اور ظہور ہو کر رہیگا دیکھا نہیں کہ حال ہی میں جو انقلاب افغانستان میں آیا ہے تو ایک معمولی آدمی بلکہ سرحد کا جنگلی ڈاکو بچہ سقہ وقت کی اقتضا ظہور اور اپنی قابلیت پوشیدہ سے تخت کابل پر بیٹھ ہی گیا اور اس وقت تک برابر حکمرانی کی جبتک کہ اسکی یہ قابلیت ساتھ دیتی رہی اور جہاں دوسرے جزو قابلیت کے ظہور کا وقت آیا اور اقتضا ہوئی تو پھر وہی ناچیز و ذلیل ہو گیا اور کیا کیا ہوا۔ کہاں امان اللہ شاہزادہ و حکومت اور اوس کا تخت و تاج اور کہاں روم کی گلیوں میں ایک جواہر فروش تاخت و تاراج۔ اور کہاں فوجی جرنل معزول و معتوب نادر خاں

اور کہاں سلطنتِ افغانستان وہی زمین اور آسمان کابل ہے مگر ہوکر وہی رہا جو جس کی قابلیت اور جو جسکی جس قابلیت کے وقت ظہور کا اقتضاء تھا۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور خدا چاہتا وہی ہے جو ثابت فی العلم ہو یا جو لوحِ محفوظ پر ہو۔

اب آؤ ذرا غور کرو کہ موحد مکلّف پابندی شریعت ہے یا نہیں؟ پہلے اسکو دیکھو کہ موحد ہوتا کون ہے۔ موحد وہی نقشِ خیالی ہوتا ہے جس کی قابلیت علیٰ سبیل الاستعداد ایسی ہو کہ خدا کو موجود واحد جانے اور اس کے لوازمات وہ ساری باتیں ہیں جن کا ذکر صفحاتِ ماسبق میں گذرا۔ تو ایسے شخص کا عبور علم الٰہی کی نوعیت اور ظہورِ حق بصورتِ خلق کے اسباب پر ہونا لازمی ہوگا۔ اور وہ بشرط قابلیت پسندیدگی حق و نارضامندی کو بھی دیکھے گا۔ اور جب کلام اللہ ناطق ہے کہ وہی لوگ راستہ پر ہونگے اور وہی لوگ اصحاب یمین سے ہونگے جو احکام کی پابندی کرتے ہوں اور منع کی ہوئی باتوں سے پرہیز کرتے ہوں اور جبکہ ایمان کی تعریف یہ ہو کہ اقرار باللسان وتصدیق فی القلب وعمل بالارکان۔ اور جبکہ عمل بالارکان میں احکام کی پابندی ہو اور حکم یہ ہو کہ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوہ اور اس پر بشرطِ قابلیت عمل کرے تو ایمان ہوا بلا ایمانی توحید ہوئی یا تشریک۔ بلاشبہ توحید اور عین ایمان جب یہی توحید اور ایمان ہے تو اس کا منکر موحد ہے یا مشرک ارباب فہم فیصلہ کرسکتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ قرآن مجید کلام اللہ ہے یا نہیں۔ اگر کلام اللہ ہے تو اوس پاک کلام کا منشاء توحید

ہے یا شرک. اگر توحید ہے تو اُس میں جو احکام ہیں داخل توحید ہونگے یا نہیں۔ اگر داخل توحید ہونگے تو موحد بننے کے لیئے اون پر عمل ضروری ہے یا نہیں۔ اگر ان پر عمل ضروری ہے تو موحد مکلف پابندی شریعت ہوا کہ نہیں۔ ہوا ضرور ہوا۔ مگر یاد رہے کہ ہر زعیم توحید موحد نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اوس میں پورے لوازمات توحید اور انکے باربرداری کی قابلیت ودیعت کردہ الہی نہ ہو۔ اور ودیعت الہی اُس وقت تک نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ اُس کا نقش اُس کی فطرت اُسکی اصل ہی اس قسم کی قابلیت لیکر علم الہی میں ثابت نہ ہوئی ہو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ اب آیئے دو ایک ضروری مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر ہذا کو ختم کردیں اور عمل کیطرف رجوع ہوکر ثابت کردکھائیں کہ موحد ہیں یا مشرک۔

یہ یاد رکھو کہ تم جو سمجھتے ہو کہ تم کچھ کرتے کراتے ہو یہ غلط ہے تم صرف صورت و شکل کی حد تک ہو اور فعل و افعال کا مالک فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے اور تم سے ہوتا وہی ہے یا تمھاری شکل میں جو کچھ فعال کرتا ہے وہی کرتا ہے جو تمھاری استعداد و قابلیت ہو۔ نیت تم جس چیز کو کہتے ہو وہ فعال کے ارادہ اور اس فعل کے ارادہ کی جھلک ہے جو تمھاری قابلیت میں داخل ہو اور اس نیت کے پیدا ہونے کا نام تم نے توفیق رکھ لیا ہے۔ توفیق اچھے اور بُرے دونوں قسم کے کاموں کی ہوا کرتی ہے۔ اچھا فعل اس مظہر سے صادر ہوتا ہے جس کی قابلیت میں اچھے افعال داخل ہوں اور ہر فعل کا کوئی وقت معین مقتضی ہو اور برا اسی جگہ ہوتا ہے جہاں اوسکی استعداد برائی کی ہو اور وقت معین کا اقتضا ہو۔

حدوث نئی بات کو کہتے ہیں۔ یا وہ امر یا وہ واقعہ جو قدیم نہ ہو۔ اگر ہم ظہور حق بصورت خلق کو مانتے ہیں تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ ہم اس امر کو مانتے ہیں کہ حدوث مارج قدم نہیں۔ اسکو یوں سمجھو کہ ایک لکڑی بہ نسبت اسکے کہ وہ ایک شکل لے کر میز کہلائے قدیم ہے یعنی لکڑی بحیثیت لکڑی ہونے کے میز کی نسبت جو اس سے بنے قدیم ہے اور میز ہوا حادث شکل لینے سے آپ اپنے اعتبار کا لحاظ کرتے ہوئے لکڑی کو میز کہنے لگے۔ مگر یہ بتائیے کہ اس لکڑی کے میز کی نسبت قدیم ہونے میں کیا ہرج پیدا ہوا۔ لکڑی میز کی طرح نو پیدا تو نہیں ہے، یا میز بننے سے لکڑی نو پیدا تو نہیں ہوگئی۔ اور اگرچہ شکل کا اعتبار کرتے میز نام لیلی ہو، مگر اس صورت میں بھی بحیثیت لکڑی ہونے کے لکڑی لکڑی کو کہہ سکتے ہیں۔ اسطرح لکڑی کے قدیم ہونے میں میز کے نئے ہونے نے کیا ہرج پیدا کیا۔ کوئی نہیں۔ لکڑی اگرچیکہ قدیم ہے مگر مصور و مشکل ہونے اور میز بننے کی حیثیت سے میز کا کام دیگی یہ تو نہیں ہوسکتا کہ کسی مکان کی شہتیر بنے یا کندے کی طرح بیکار پڑی رہے یا چولھے میں ایندھن کا کام دے۔ اس سے اس کے اپنے خصوصیات مفقود نہیں ہوئے۔ اور اسپر لازمی یہی ہوا کہ وہ میز کے سب کام انجام دے۔ اس لحاظ سے وہ قدیم بھی ہے اور حادث شے کی شکل میں بھی۔ معرفت کے معنی جاننے کے ہیں یعنی قدیم و حادث کا فرق جانکر دونوں کی حقیقت و اصلیت سے واقف ہوکر قدیم کو قدیم اور حادث کو حادث مانتے کے ہیں۔ یا بالفاظ دیگر اصطلاح صوفیہ میں معرفت اس علم کو کہتے ہیں جس سے عبد اور رب کے تعلقات ظہور میں کیا ہیں اور عبد

کی کیا حقیقت ہے، اور رب کی کیا معلوم ہو۔ اور پھر عبد کے صفات و افعال عبد کے ساتھ سمجھے اور رب کیساتھ رکھے۔ تو اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ رب جب تک صورت عبد میں ظہور فرما رہے لازم ہے کہ وہ عبد کے کام انجام دے۔ ورنہ اس کا ظہور ہی بہ شکل عبد و خلق بیکار اور معاذ اللہ حماقت متصور ہوگی۔ مگر اللہ پاک تو حکیم و علیم ہے۔ پس بدیں صورت یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ موحد جو ایک ظہور حق ہے بصورتِ خلق یا وجود رب ہے بہ شکل عبد۔ دراں حالیکہ یہ ظہور بلا وجہ نہیں جو عبد کے کاروبار انجام دینے سے معطل رہے۔ اگر معطل ہی رہنا ہوتا تو ظہور بیکار۔ اور جب کہ کاروبار عبد وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ سے ظاہر و باہر ہیں تو پھر موحد کس طریقہ سے تکلیفاتِ شریعہ سے خارج ہو سکتا ہے سمجھ میں نہیں آسکتا یعنے کسی موحد کا مکلف پابندی شریعت نہ ہونا لایعنی ہے۔ مانا کہ اوپر والی آیت میں لِيَعْبُدُوْنَ کے معنی لِيَعْرِفُوْنَ کے لئے جائینگے۔ اس کے لینے سے تو روزے گلے پڑ جاتے ہیں۔ یعنی معرفت کے سارے لوازمات بغیر معرفت ناقص ہو جاتی ہے۔ اگر لوازماتِ معرفت کو مانا جائے پابندی شریعت لازم آجاتی ہے کسی طرح لزوم شریعت سے ایک موحد کا خارج ہونا محال ہے۔ کیونکہ ایک لازم ہے دوسرا ملزوم۔ اگر کوئی لاپرواہے مستغنی عن الشریعت ہے تو یہ سمجھے کہ وہ موحد نہیں ہے مشرک ہی اور مشرک بھی کیسا کچا۔ اَللّٰھُمَّ احفظنا عن ظلمت شرکك و زین ایماننا بضیاء توحیدك بجاہ حبیبك و نبیك سید المرسلین و اله و اصحابه الطاهرین رضوان الله تعالی علیهم اجمعین برحمتك

یا ارحم الراحمین ۔

میرا خیال نکل گیا اور مجھے خیال رہتا تو کیسے رہتا جبتک وقتِ معینہ سر پر نہ پہنچے اور مقتضی نہ ہوا اور یہ مشہور ہے کہ کل امرء مرھون باوقاتھا اور اب شاید مقتضی ہوا اور مجھے خیال آیا کہ دو ایک مسئلے ایسے بھی ہیں جن پر اس موقع پر کچھ گفتگو کر لیجائے تو مناسب ہوگا۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ اکثر لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ موت فی الحیات اور حیات بعد الممات کا اجتماع ضدین۔ کیسے۔ دوسرا مسئلہ جو بعض وقت بعض لوگوں کو پریشان ہی نہیں بلکہ گمراہ کر دیتا ہے حلول کا ہے۔ ان دو ایک مسئلوں پر کچھ اپنے خیال ظاہر کر کے اس تحریر کو ختم کر دوں۔

آیئے ختم تحریر پر کچھ مختصر سی گفتگو اس پر بھی کر لیں اور بس اور امیدوار ہوں کہ خدا تعالیٰ مدد فرمائے گا کہ کوئی صحیح خیال اس پر ظاہر ہو سکے جس سے میں اور آپ دونوں منتفع ہوں۔

الموت فی الحیات والحیات بعد الممات

عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دو جزو ہیں اور ہر جزو اس قابل ہے کہ اس پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کی جائے۔ ہاں حقیقت میں اس کا ہر جزو اپنی نوعیت میں ایک علیحدہ مسئلہ کی صورت رکھتا ہے اور اس پر بہت وسعت ہو تو کافی گفتگو ہو سکتی ہے مگر ان کو محض اس وجہ سے کہ یہاں مختصر گفتگو ہوگی اور وسیع مضمون نگاری سے کام نہ لیا جائیگا بلکہ حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا جائے گا ایک جگہ کر دیا گیا ورنہ دنیا بھر کے چیزوں کو اس میں داخل کر کے گفتگو کرنے بیٹھیں تو اچھی

خاصی ایک کتاب اس ہی ایک مضمون پر تیار ہو جائے۔ ذیلی امور کو ارباب فہم کے لئے چھوڑ کر صرف لبِ لباب عرض کیا جائے گا۔

یہ معلوم ہے کہ اس کتاب میں شروع سے ابتک توحید وجودی پر بحث کی جارہی ہے۔ اگرچیکہ اسکی ابتدا "توحید و شریعت کے تعلق" پر ہوئی اور بقدر استعداد اس کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی مگر اس تحریر سے اتنا ہی سمجھ میں آسکتا ہے کہ عالم کی حقیقت ایک نقشِ خیالی کی سی ہے اور اسکا وجود جو مبصر و مرئی و محسوس ہو رہا ہے وہ اس کا اپنا ذاتی اور خاص نہیں بلکہ عارضی ہے یعنی اس عالم کی شکل میں موجود ازلی کا ظہور ہوا ہے۔ اگر اتنا سمجھ میں آگیا تو کافی ہے۔ اس مسئلہ پر روشنی پڑجاتی ہے اور صاف طور سے آسانی کے ساتھ دو چار جملوں میں یہ مسئلہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ عالم ایک نقشِ خیالی ہے ثابت الذات ہے اور مسلوب الوجود شاہ وجود کے اکثر و بیشتر صفات سے یہ عالم ناپائیدار متمتع و سرفراز ہے تو معلوم ہوا کہ جو صفات شاہ وجود کے ہونگے وہ اس کے نہیں تھے۔ اگر شاہ وجود موجود تھا تو یہ عالم معدوم اور جہاں شاہ وجود زندہ وہی تھا تو یہ میت تو لیجئے ہو چکا اسکی شکل میں دراصل حضرت واحد سبحانہ ظاہر ہوئے ہیں تو یہ ثابت ہوا کہ عالم اب بھی اپنی اصلیت سے متغیر نہیں ہوا کیونکہ اس کا تغیر محال ہے اور ظاہر ہے کہ معدوم شئے کا موجود ہونا ناممکن ہے۔ اور یہ مشہور و معروف بات بھی ہے کہ حقیقت کو تغیر و تبدل نہیں۔ پس عالم اپنی حقیقت سے ہی اب بھی ثابت الذات و مسلوب الوجود ہے یعنی معدوم

دمیت ہے۔ تو عالم کی اس محسوس زندگی میں بھی اگرچیکہ وہ زندگی دہستی اور جینا دوسرے کا ہے اس پر عارضی ہے تو وہ میت دبیجان ہے یا نہیں۔ ہے ضرور ہے۔

ظہور حق تو حق کا ظہور ا ہوا اس وجہ سے سارے صفات ظاہری حق کے ہوئے علیٰہذا جینا اور زندگی بھی حق کی ہوئی۔ تو عالم میّت ہی میّت ہے۔ مگر ہم جلاہے کے کارگہ کو اپنا کارگہ سمجھ رہے ہیں حق کی حیات کو اپنی حیات سے تعبیر کر رہے ہیں جو غلط ہے اور ہمارے اپنے اعتبار کا قصور۔

اس عالم کی حقیقت عدم و موت کو سمجھانے اور راہ توحید کے صراطِ مستقیم پر لانے کے لئے دو جامع العلوم کلمات حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے مُوتوا قبل ان تموتوا یعنی یہ کہ تم اس عارضی و مستعار حیات کو اپنی حقیقی و ذاتی حیات سمجھ رکھے ہو اور یہی بے سمجھی تمھارے لئے حجاب اور مانع معرفت و تصدیق ہے اور تم اپنی اس حیات مستعار کے واپس لئے جانے کو اپنی موت کہتے ہو جو بیجا و بے اصل اور لایعنی و لایعقل بات ہے کیونکہ حقایق کا تبدل محال ہے ایک زندہ مر نہیں سکتا جیسے کہ ایک مردہ جی نہیں سکتا۔ ابتدائے آفرینش عالم سے ابتک کتنے ایک مستعار زندگی کو اپنی ماننے والے مرگئے کیا وہ پھر آئے؟ کہاں ہیں وہ بنان آدم ہابیل و قابیل اور کہاں ہیں سڑے دماغ والے خدائی کے مدعی فرعون و شداد و نمرود؟ کیا وہ پھر زندہ ہوئے؟ نہیں، مردے نہیں جیتے۔ حیات ادنیٰ ذاتی نہ تھی ورنہ وہ ابتک زندہ رہتے حق کی حیات تھی اس نے وقتِ معینہ پر واپس لے لی اور وہ

بمصداق کلّ شیءٍ یرّجع الیٰ اصلہٖ راجع بعدم ہو گئے۔

تم اپنی اصل کو بھول کر بیٹھے ہو تمھاری اصل عدم ہے تم میّت ہو حیات تمھاری مستعار ہے۔ اگرچہ کہ یہ ظہور حق ہے جو تم ظاہر ہوا ور تمھاری اصل استعداد کا ظاہر ہونا اس ظہور کا منشا ہے اور اس ظہور سے تم اپنی اصل کو بھولے ہوئے ہو۔ اپنی موجودگی حال کو نہ دیکھو کیونکہ الحال سریع الزّوال ایک مشہور و معروف بات ہے۔ یہ ظہور تمھارے اقتضاے قابلیات کے پورے کرنے کیلئے ہے اس کے سب حرکات کو دیکھ کر تم اپنی اصلیت پر محمول کرو۔ اور اپنے میں شرماؤ۔ شرمندگی ندامت اصل توبہ ہے۔ التوبۃ الندامۃ بزرگوں نے توبہ کی تعریف کی ہے۔ اگر تم اپنی اصلیت کو سمجھوگے تو اس حیات مستعار کو اور اس ظہور کو اپنا نہ سمجھوگے اور ابھی جام موت چکھوگے اگر تمھاری قابلیت کا اقتضا یہی ہے اور تم ایسا کرو اپنی حیات مستعار کو بھول کر اصلیت عدم کی طرف عود کرو تو تمھارا حیات مستعار میں ہی مرجانا ہوا اور یہ تمھاری اچھی قابلیت کی دلیل ہوگی آیندہ اس ظہور سے وہ حرکات ظاہر و صادر ہونیکی امید ہے جو پسندیدۂ بارگاہ رب العزت ہونگے۔ یہ تو تھا اس ارشادِ مبارک کا مفہوم۔ اب فرمائیے کہ حیات آپ کی مستعار ہے تو آپ حقیقت میں زندہ ہیں یا مردہ۔ اس حیات میں آپ کی موت ثابت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو سمجھئے چھٹی ہوئی۔ موت فی الحیات ثابت ہوگئی۔ مختصر یہ کہ حیات چونکہ حی کی ہے آپ کی نہیں آپ کیلئے یہ مستعار ہوئی اور موت فی الحیات سے مراد الموت فِی الحیاتِ المُستعَار ہے اور اس میں حیات کی صفت کا ذکر نہیں کیا

گیا کیونکہ عالم کی کوئی حیات نہیں اور اگر ہے تو اوس کا مستعار ہونا روز روشن
کی طرح ظاہر ہے اور ظاہر چیز کا اظہار ضروری نہیں ہوتا۔ اب رہا حیات
بعد الممات کا مسئلہ، یہ بھی اوپر کی گفتگو سے واضح ہو چکا اس میں بھی صفت
حیات یعنی وہی لفظ مستعار محذوف و مخفی ہے یعنی یہ جملہ بھی الحیات المستعار
بعد الممات کی شکل میں ہے۔ اب اِس میں سمجھنے سمجھانے کی کیا بات باقی رہگئی۔
یہ ظاہر ہے کہ عالم سارا معدوم الاصل مسلوب الوجود ایک نقش خیالی
تھا اوس میں ہر ہر فرد کو اوس کے قابلیات کی اقتضا کے موافق عارضی
وجود ظہورِ حق سے عطا ہوا فرشتوں کو اونکی استعداد کے موافق اجنّہ کو انکی
قابلیات کے مطابق علیٰ ہذا انسان کو سارے حیوانات کو نبات و جمادات
کو بعض بعض پر ظاہر ہیں اور بعض بعض پر پوشیدہ مگر اون تمام اشکال عالم
میں ظہور حق سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بنا بریں عالم کے تمام افراد
کے فرداً فرداً مٹنے کے بعد عالمِ ظاہر میں نہیں تو عالمِ مخفی میں عالمِ شہادت
میں نہیں تو عالمِ مثال میں۔ اس عالم میں نہیں تو دوسرے عالم میں پھر
حیات مستعار سے سرفراز ہونا محالات سے تو نہیں ہے۔ اس عالمِ شہادت
میں بعض پر بعض کا پوشیدہ ہونا جیسے ممکن ہے اسی طرح افراد عالمِ شہادت
کا منکر عالم مثال بعطائے حیاتِ مستعار زندہ رہنا کب ممکن نہیں۔ پس جو
اس عالم میں مرا مردہ کہیں جائے جنت میں یا دوزخ میں یا قبر کے برزخ
ہی میں رہے اوس کا زندہ بحیات مستعار ہونا اور اوسکے استعداد و قابلیات
مابعد حیات دنیوی کا ظہور خواہ از قسم ثواب ہو یا عذاب جزا ہو کہ سزا

ہوتے رہنا لازمی وضروری اور بالکل معقول ہے۔ پس اُس حیثیت سے موت فی الحیات اور اس حیثیت سے حیات بعد الممات ثابت ہے اور اسی وجہ سے دنیا سے غائب ہونے کو انتقال بھی اصطلاح خاص وعام میں کہا جاتا ہے۔ اس حیات بعد الممات کے ثبوت سے قبور میں اہل قبور کا زندہ ہونا اونکی زیارت سے زندہ اور مردہ کا آپس میں استفادہ سلام اور اوسکا جواب توسل واستمداد وزیارت قبور کا جواز اور ایصال ثواب کے مابین وطرفینی فوائد سے بہرہ ور ہونا کس حد تک صحیح وجائز ہوسکتا ہے ظاہر ہے۔ جو زیارت قبور کا منکر ہو، استمداد وتوسل سے منحرف اور ایصال ثواب کو ناجائز سمجھتا ہو وہ سمجھا کرے ہم تو نہیں سمجھیں گے کیونکہ ہمارا مطمح نظر دوسرا ہے اور اوسکے ان سب امور کو ناجائز سمجھنے سے جو کچھ ثابت ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے ایک جزو کو مانتا ہے اور دوسرے سے انکار کرتا ہے بالفاظ دیگر ایک معاملہ میں خدا کو قادر مانتا ہے دوسرے معاملہ میں عاجز۔ وہ مانا کرے اوس کا دین اوس کے ساتھ۔ ہمارا ایمان ہمارے ساتھ۔ قبر میں اترنے کے بعد معلوم ہوجائے گا کہ وہاں کیسی بڑی کائنات اسی عالم کے مثل موجود ہے دلایل کے لئے سینکڑوں احادیث کو علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح الصدور، بدور السافرہ اور بشریٰ وغیرہ میں نقل کیا ہے۔ ضرورت کے لئے کتب مذکور ملاحظہ ہوں۔

الموت فی الحیات والحیات بعد الممات سے ایک دوسرا مطلب مفید مذاق بھی حاصل ہوسکتا ہے وہ یہ کہ حیات مستعار میں موت کو

اپنی معدومیت اصلی کا خیال کرتے اوس کو موتِ اختیاری بھی کہتے ہیں اور اس قسم کی موت سے عارف وحقایق شناس انتقال ظاہری از دنیا بعالم برزخ کی جس کو موت اضطراری کہتے ہیں کوئی پرواہ نہیں کرتا چونکہ انسان کو موت اضطراری کے بعد بھی حیات مستعاری ہی نصیب ہے اور اوس عالم میں حیاتِ مستعار اوس کے ساتھ ابدی رہے گی۔ پس وہ حقایق شناس موت اختیاری کے بعد موت اضطراری سے بے پرواہ ہوکر اپنی حیات دنیوی و اُخروی کا ایک سلسلہ باندھ لیتا ہے جو اس کے لئے حیات ابدی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ جیسے عارف کا ارشاد ہے :۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تو اس حیثیت سے ایک عارف کی حیات بعد الممات اس کے عرفان ہی سے شروع ہوجاتی ہے اور عرفاء زندۂ جاوید ہیں۔ عرفان کیا ہے؟ آبِ حیات ہے ایک بات کھٹکی، شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ عارف باللہ جب عالم کو ظہور حق بہ شکل عالم سمجھتے ہیں اور بعض کی شکل میں ظہور حق نے اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا ہے مثلاً ابن منصورؒ کی شکل میں ظہور حق نے انا الحق کہا اور بایزیدؒ کی شکل میں سبحانی ما اعظم شانی اور جنیدؒ کی شکل میں لیس فی جبتی سوی اللہ۔ تو آخر یہ دنیا سے مٹ کر یعنی دنیا سے منتقل ہوکر ظہور حق خدا ہوگیا یا کیا۔ یاد رہے کہ ذات حسن ابن منصور تو عبد ہی رہی خدا نہیں ہوئی اور ظہور حق ان کی موت اختیاری کے بعد سے انھیں

زندہ جاوید بنا دیا تھا اور اضطراری کے بعد بھی بنا رکھا ہے۔ رہا نفس ظاہر یعنی حق بشکل حسن عین ذاتِ حق ہے۔ جب حق تھا اب بھی خدا ہے ہمیشہ بھی خدا رہے گا۔ حسن ابن منصور عارف ہو کر خدا نہیں بن گئے اور حق بشکل ابن منصور میں ظہور کر کے بندہ نہیں بن گیا۔ حق اپنی ذات سے حق ہے اور حسن ابن منصور اپنی ذات سے حسن ابن منصور۔ جیسا کہ ارشاد ہے

فانّ العبدَ عبدٌ فی الحقیقت

وانّ الرّبّ ربٌّ ذوالجلالُ

ایک مقام پر شیخ نے فرمایا ہے۔

فالعبد عبدٌ وان ترقے

والرّبُّ ربٌّ وان تنزل

حلول انسان پر صحبت کا خواہ وہ مادی ہو کہ غیر مادی ضرور اثر ہوا کرتا ہے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

صحبتِ صالح ترا صالح کند　　صحبتِ طالح ترا طالح کند

مادی صحبت جیسے کسی انسان کا اپنے مکان۔ محلہ۔ شہر یا گاؤں میں رہنا۔ اور دوسرے انسان یا جانوروں میں بسر کرنا وغیرہ۔ غیر مادی صحبت جیسے اچھی بُری آوازوں کا سننا وغیرہ۔ پس مشرکین یا کم سمجھ اور بیوقوف لوگوں یا ناقص الخیال شخصیت کا اثر دوسرے انسان پر ان کی صحبت سے ضرور ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ہی نہیں جہاں کہیں مشرکین۔ بت پرست۔ ناقصین جہلا وغیرہ ہونگے۔ ایک تازہ دماغ خالی الذہن ہر قسم کے اثر سے پاک صاف

شخص ان کی صحبت میں رہے تو وہی باتیں اس کے ذہن نشین ہونگی جو اس کو اپنے ماحول سے ملی ہوں۔ اسی طرح کچے صوفی کچے ملحدوں کا اثر غریب طالبوں پر خالی الذہن مریدین پر پڑتا ہے۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ اسلامی توحید اسقدر مبسوط و منظم ہونے کے باوصف بے مشقت کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں اور اپنی زد میں یہ سمجھ کر کہ توحید مسلمانوں سے حاصل ہو کہ سادھو، بیراگی، یوگی اور گوسائیوں سے۔ توحید اپنی حد میں ایک ہے۔ میں اس کا مخالف ہوں۔ اسلامی توحید جس طرح مبسوط و منظم کامل و محیط مسائل ہے دوسرے مذاہب کی بنائی ہوئی توحید نہیں۔ آخر الذکر ناقص ہے ورنہ اسلام کی اشاعت دیروزہ سے پہلے بھی توحید دوسرے مذاہب میں تھی جو شروع سے آتے ہوئے بگڑ گئی تھی اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو کر از سر نو توحید کی تبلیغ فرمائے۔ اگر وہ ٹھیک ہوتی تو بعثت بے وقت تھی اور یہ اشاعت قبل از ضرورت۔

بعض مذاہب میں توحید کے جو زعمار پائے جاتے ہیں وہ روح کو جسد عنصری سے الگ مان کر روح کو خدا اور جسد عنصری کو مادہ سمجھتے ہیں۔ روح اور مادہ کو شاید قدیم جانکر کہتے ہیں کہ مادہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا روح یا خدا اوس میں گھس گیا اور باحس و متحرک کر دیا۔ استغفر اللہ العظیم دو قدیم کیسے اور اگر دو قدیم ہیں تو روح کی کیا خصوصیت ہے جو اوس کو خدا مانا جائے۔ کیوں مادہ کو خدا نہ مانا جائے۔ اگر اس کی تردید میں یہ کہیں کہ روح نے مادہ کو متحرک کیا ہے تو ہم کہیں گے روح بغیر مادہ کے کس کو حرکت میں

لاتی اور بغیر مادہ کے روح کسی کو حرکت میں لانے سے عاجز ٹھہری تو ایسی عاجز دیوی پر ہزار بار افسوس۔ ہم ایسی دیوی کو لیکر کیا کریں۔

ہمارا دوسرا سوال یہ ہوگا۔ ذی روح کی حد تک تو روح خدا اور غیر ذی روح کا کون خدا؟ پھر ذوی الارواح کس کا ظہور بس ثابت ہوا کہ یہ توحید نہیں تشریک ہوئی۔

آئیے اب نفس مسئلہ سے بحث کر لیجئے۔ ہم نے شروع سے آخر تک جو جو امور پیش کئے ہیں وہ اپنے سامنے رکھئے۔ عالم کو یاد رکھئے کہ علم الٰہی کا ثابت الذات ومسلوب الوجود ایک نقش خیالی ہے۔ اب باقی کون رہا موجود ازلی حضرت ذوالجلال والاکرام۔ اسطرح عالم تو کوئی شے نہیں ہے۔

حلول کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک مظروف دوسرا ظرف ایک حال دوسرا محل۔ اگر بفرض محال خدا کو حلول کرنیوالا یا مظروف قرار دیں تو ظرف ومحل تو تھا ہی نہیں پھر حلول کرتا تو کس شے میں گھس جاتا تو کس ظرف یا محل میں۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ:-

حلول کے لئے مظروف وظرف دو ضروری ہیں۔ اگر حلول کو مانیں تو دونوں کو ماننا لازمی ہوگا۔ اگر دونوں مان لیں تو دو قدیم وموجود ہو جائینگے توحید نہ ہوگی اور خدا کو نسا بھی نہ ہوگا۔

اگر خدا ایک ہے دو نہیں اور خدا قدیم ہے تو قدیم بھی ایک ہی ذات ٹھہری۔ جب قدیم ایک ہی ذات ہے تو مظروف موجود ہوا۔ ظرف غائب ومعدوم۔ مظروف کا بلا ظرف حلول ثابت نہیں۔ چونکہ دو قدیم (مظروف و

ظرف) ہوں تو حلول ثابت ہو سکتا ہے اور دو قدیم اور موجود ہوں تو توحید نہیں ہو سکتی۔ پس یہ ثابت ہوا کہ حلول ثابت ہو سکتا ہے تو توحید معدوم۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلا کہ توحید میں ثبوت حلول محال۔ اگر عالم ایک ذاتِ واحد کی ہستی کا ظہور ہے تو حلول کی بوم بیوقوفی، جہالت و بطالت ہے۔

اگر نفخت فیہ من روحی والی آیتہ سے حلول کا استدلال کیا جائے تو لفظی شبہ ہوگا اور یہ بھی حماقت کیونکہ راز اس آیتہ کا جو کچھ ہوگا، ہوگا مگر انفاخ روح سے حلول روح ثابت کیا جا سکتا ہے نہ کہ حلول حق اور وہ بھی کھینچ کھانچکر۔ وہاں تو ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے اپنی روح پھونکدی روح پھونکی خود تو نہیں گھس گیا۔ اب راز آیتہ کو سمجھو۔ ہم ظہور حق پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے آئے ہیں کہ علم میں جب اشکال و صور قایم ہوئے یا ثابت ہوئے تو حق نے ہر شخص کے قابلیات و اقتضاء وقت کے موافق ظہور فرمایا کیونکہ حق کا ارادہ حق کے علم کے تحت تھا۔ پس جبکہ آدم کی صورت و ہیئت مع تعلق و سیرت ثابت بہ علم ہوئی اور آدم کی آفرینش کا وقت مقتضی ہوا جو علم الٰہی مین تھا تو حق نے اوس تصویر معدوم کو اپنا وجود بخشا اور جیتی جاگتی تصویر بنا دیا جس کو بالفاظ دیگر جان ڈالنا یا روح پھونکنا بھی کہیں گے ویسے بھی روح پھونکنے اور جان ڈالنے کا محاورہ تو آجکل بھی مشہور اور عام ہے جس سے مراد سوتے کو جگا دینے کے بھی ہیں۔ مردے کو بے حس و حرکت شے کو حرکت دینے کے ہیں۔ ایک دبی ہوئی بات کو ظاہر کرنے اور ابھارنے

کے بھی آتے ہیں۔ اور روح پھونکنے کے معنی اصطلاح عام میں اپنا اثر پیدا
کر دینے کے بھی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حق مؤثر حقیقی ہے اور اس کا ظہور۔ آیۃ
اللہ یا آثار اللہ ہے۔ اور یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مختصر یہ کہ توحید میں حلول کا ذکر ایک بے معنی بات ہے اور اس سے
عقیدہ کا فساد سہل و آسان تر۔ بعض حضرات نے تو اتنی جرأت بھی کی ہے کہ
حلول کو قرآن سے ثابت کریں۔ آفریں بریں عقل و دانش۔ ہمارا ان پر کوئی
اعتراض نہیں کیونکہ یہ بھی ہماری عبرت و تعلیم کے لئے ظاہر ہوا۔

حلول کا ذکر مفصل فقیر کے رسالہ تصحیح الخیال میں کیا گیا ہے۔ جن حضرات
کو خواہش تفصیلی مطالعہ کی ہو اور اس امر کا خیال ہو کہ حلول تجدد امثال
تناسخ وغیرہ میں فرق معلوم کریں تو اس رسالہ کو حاصل کر کے مطالعہ فرمائیں۔

خاتمہ وقت اور موقع کا عجیب رنگ ہے۔ دین کے حقایق کو
جب کبھی پیش کیا جاتا ہے تو ارباب نظر و بصر بلا غور کئے ہوئے صرف
ایک سرسری نظر دوڑا کر برافروختہ ہو جاتے ہیں اور مؤلف و مصنف یا پیش
کرنے والے کے سر تاج من صنف فقد استھدف رکھ کر نشانۂ ملامت
بناتے ہیں۔ اس میں کبھی تقریر سے کام لیا جاتا ہے کہیں تحریر سے ایسی
خدمت انجام دیجاتی ہے۔ کبھی کوئی علماء سے فتوے طلب کر کے اون کی
اشاعت کرتا ہے۔ کوئی کسی وقت اپنے احباب میں ایسے لوگوں کی مذمت
و تکفیر بیان کرتا ہے۔ یہ سب اشکال دیکھے گئے مگر بدقسمتی سے کوئی ایسا آدمزاد
نظر نہ آیا جو کبھی کسی سے مصنف کا شکریہ ادا کیا جاتا ہو۔ اب یہ سوال ہوگا کہ شکریہ

کا کیا موقع ہے۔ ہم کہیں گے کہ تحریر جو امور دینی میں پیش کی جاتی ہے وہ اگر صحیح ہو تو خیر باعث ممنونیت ہے ہی اور اگر غلط ہو تو اس سے زیادہ باعث تشکر ہے کیونکہ اس قسم کی تحریر جگاتی ہے اور ہوشیار کرتی ہے چنانچہ فطرت عالم سے یہی امر ثابت ہوتا ہے۔ عالم میں اشیا متنوع و متضاد پیدا و ہویدا ہیں۔ مثلاً تاریکی اس واسطے ہے کہ روشنی ممتاز ہو۔ ترشی و تلخی باعث شہرت ہیں نمک و شکر کے۔ عاصی و بدکار اس واسطے ہیں کہ زاہد و نکوکار اُن سے عبرت لیں۔ اسی طرح دین کے معاملات اگر غلط صورتوں میں بھی پیش ہوں تو ایک سمجھدار انسان اس قسم کی تحریر کو جب غور سے پڑھتا ہے اور اس کی غلطیوں کو سمجھتا ہے تو اوس کے دینی معلومات میں پختگی آتی ہے۔ اوس کی فہم بیدار ہو جاتی ہے۔ ایسے امور جن کے کہنے سے کفر و شرک کا اندیشہ ہوتا ہے اون سے اوسکی واقفیت تازہ ہو جاتی ہے تو اس حیثیت سے کوئی مصنف خواہ اچھا ہو یا بُرا، ملامت کے قابل نہ ٹھہرایا جانا چاہئے اور بجائے ملامت کے اوس کی تعریف ہونی چاہئے اور اوس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ مگر اخلاق کی یہ خوبی اس وقت تک ظاہر نہیں ہو سکتی جب تک کہ خودی و خودسری و خودستائی کا دیو کسی انسان پر سوار ہو اور وہ انسان نصیحت انظر الی ما قیل پر عمل کرکے اوس سے اوس وقت تک بہرہ یاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اوس کا یہ آسیب نخوت دور نہ ہو۔

ہم نے بعض اکابر علماء ہند کی تحریروں میں وحدۃ الوجود کی مذمت کے مضامین پڑھے ہیں اور وحدۃ الوجود کا غلط منشا بتاتے اور سمجھاتے ہوئے

دیکھا اور سُنا ہے۔ ایک صاحب ارشاد ایک فریادی اور ایک بادشاہ ایک کانسٹبل اور عدالت کو پیش کرکے تمثیل دیتے ہوئے وحدۃ الوجود کا منشا سمجھاتے ہیں۔ اسطرح کہ ایک فریادی بادشاہ کے پاس فریاد لے گیا۔ بادشاہ نے اوس کو پولیس وعدالت کے مدارج طے کرکے اوس کے دربار میں پیش ہونے کا حکم دیا فریادی نے کہا کہ میں پولیس وعدالت وغیرہ کو کیا جانوں، آپ ہی میرے لئے پولیس ہیں آپ ہی عدالت ہیں آپ ہی کانسٹبل ہیں۔ بادشاہ نے اس کی فریاد سن لی اور اوس کے موافق فیصلہ کردیا آگے کہتے ہیں کہ ایک مصاحب اگر اسکی تقریر کو سمجھ لے کہ یہ بات واقعی ہے سب بادشاہ ہی کے بجائے کام کرنے والے ہیں اونکو جو اختیارات دئے گئے ہیں وہ بادشاہ کے ہی اختیارات ہیں۔ اس حیثیت سے بادشاہ کانسٹبل بھی ہے عدالت بھی وزیر بھی کوتوال بھی۔ پس اگر وہ دوسرے دن بادشاہ کے پاس آکر کہے کانسٹبل صاحب سلام تو اوس کے اتنے جوتے لگیں گے کہ ہوش ٹھکانے ہوں۔ بھلا اس مفہوم کی تقریر یا تحریر کو وحدۃ الوجود سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ تعینات کو جو فرد ہوں تمثیلاً پیش کرنا ایک حقیقت کے مقابلہ میں جزو کو کل کے بجائے مثالاً پیش کرنا خود غلط ہے۔ اس سے جو نتیجہ نکلے گا وہ بھی غلط ہوگا۔ ہم ایسے فضلا کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے وجودیوں کو چالاک و ہوشیار بنانے کے لئے ایسی مثالیں پیش کیں۔ توحید وجودی اور اصحاب وحدۃ الوجود ہر دو ایسے الزام سے جو اس سے اون پر عاید کیا جاتا ہے پاک اور بری ہیں۔

مولوی احمد حسین صاحب ہمارے ایک دوست ہیں اور بلدۂ ہذا کے ایک معروف مشائخ ہیں۔ انھوں نے اپنے عقیدتمند طالبان توحید کی تعلیمی امداد کے لئے ایک مختصر رسالہ اشاراتِ تعلیمی میں لکھکر توحیدی اشارات کے نام سے طبع کرایا ہے۔ اس میں تو صرف اشارات ہیں جو وضاحت و صراحت شرح وبسط کے ساتھ لکھے تو نہیں گئے۔ بعض احباب نے جو اس طریقے کے نہیں ہیں اسکو پڑھکر اپنی بساط کے موافق اوسکو سمجھا اور ایک علامہ سے اوس کی تردید لکھوانی شروع کی۔ ہم خود تردید لکھنے والے حضرت کی زیارت کا شرف اتفاقاً بلدہ ہذا میں حاصل کئے ہیں کچھ حصہ تردید کا حضرت سید محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کی کتاب فصوص الحکم کی عبارت پر کیا ہوا سنا ہے اور علامہ صاحب نے فرمایا کہ احمد حسین صاحب کی کتاب کی تردید کیا ہو ہمیں تو شیخ ابن عربی کی تردید لکھنی ہے اور ہم اونکی تردید ملا علی قاری اور تفتازانی کے مذہب پر کر رہے ہیں۔ ہم منتظر ہیں کہ یہ طبع ہو کر اشاعت حاصل کرے تو اس سے بھی ہم فائدہ اٹھائیں اور علامہ صاحب کا شکریہ ادا کریں۔ علامہ صاحب نے آقائے موحدان وجودی محی الدین عربی کی شان میں جو کلمات استعمال فرمایا ہے اُن کا بیان دلخراش ہے۔ سچ ہے کہ تقلید جس کی سمجھ میں نہیں آئی توحید اوسکی سمجھ میں کیا آئے۔

بعض اپنے ہم مشرب اصحاب کا خیال ہے کہ تصوف میں اختلاف جائز ہے۔ ہم اسکو نظر انداز کر کے اون کی تحریر کا مطالعہ کرتے ہیں کیونکہ تصوف بالفاظ دیگر علم و عمل توحید و تفرید ہے جس کو صراطِ مستقیم کہا سمجھا اور مانا جاتا ہے

پھر اس میں اختلاف کا امکان بات کچھ ٹھیک سی نہیں بیٹھتی اور یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے کہ ہمیں اختلاف سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

ہماری یہ تحریر بھی کسی کو عام اس سے کہ وجودی ہو یا غیر وجودی انشاء اللہ کسی طرح گمراہ نہیں کریگی۔ اگر بات صاف اور کھری ہو تو مشعل ہدایت بنیگی اور اگر مفہوم کی ادائی میں کہیں غلطی ہوئی ہو یا کسی مسئلہ کو غلط طریقہ میں سمجھ کر سمجھانیکی کوشش کی گئی ہو تو ارباب فہم کو بیدار کریگی۔ اسمیں شک نہیں کہ اس تحریر میں کافی طوالت بغرض وضاحت نہیں اختیار کی گئی۔ اور بعض مسائل کو پیش نہیں کیا گیا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اول تو اسکی طبیعت کا فقیر کو خیال ہی نہ تھا اور دوسرے یہ کہ اور مسائل کی اسمیں گنجایش نہیں تھی کیونکہ اس میں صرف توحید اور شریعت سے بحث کرنا مقصود تھا۔ بعض اور رسائل جو زیر طبع ہیں ان میں ضروری مسائل مل سکیں گے اس لئے مضمون پیش کردہ پر اکتفا کرتے ہوئے دعا پر ختم کیا جاتا ہے۔

اس فقیر حقیر کی کیا مجال کہ اس بحر ناپیدا کنار توحید میں غوطہ زن ہو۔ بہرحال حضرت پیر و مرشد قبلہ مدظلہ العالی نے سطح آب پر ڈالدیا۔ ید اللہ تو تھا ہی بمصداق اس قول کے

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

جدھر چاہا لے گیا۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کا اثر تو ازلی و ابدی ہے جو چاہا لکھدیا عبد ذلیل کی طرح امیدوار ہوں کہ اگر تحریر کا مفہوم درست ہے تو ناظرین

فقیر کے اور خود اپنے نفع کی دعا کریں گے۔ اور اگر مفہوم ناقص ہے تو اس امر کی دعا سے نہ چوکیں گے کہ موثرِ حقیقی اوس کو راہِ راست پر لگا دے۔ فقیر کی فقیرانہ طلب و خواہش تحریر ہذا سے ثابت ہے۔ اور اگر یہ تحریر واقعی مفید اربابِ ذوق ہے اور اچھی باتیں اس میں ہیں تو اس صورت میں اس کو دربار حضرت رسالت پناہی سردارِ انبیا سیّد الاصفیا نور مجرد حضرت الٰہی عِلمِ اول حضرت علیم ذوالجلال حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ناچیز نذرانہ وسوغات فقیرانہ کی طرح گزرانتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میدان میں متوسل ہے اور ملتمس ہے کہ میدانِ عمل و توحید میں چلنے کے لئے اپنے دامن کا سہارا دیں۔ اور رحمۃ للعالمین ہونے کی حیثیت سے تو سب رحمۃ عام میں بمصداق

غرقہ گشتند دریں بادیہ بسیار دگر

داخل مستفید و بہرہ در ہیں۔ اپنے خادم و غلام پر رحمۃ خاص سے توجہ مبذول فرمائیں۔ حجاب الٹ دیں راہ عرفان و توحید پر چلائیں اور اور ہر قسم کی لغزش سے بچائیں۔ جمالِ انور دکھائیں جس سے من رانی فقد رأالحق کا مصداق بنے اور کفش برداران حضرت سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پا سے ہو جائے۔ اللھمّ بلّغ الٰی مرامی فی طاعتك واتباع نبیّك محمد صلی اللہ علیہ وسلم وافتح لی فتحاً مّبینا فی مهمات توحیدك واحفظنی عن معصیتك ونور قلبی بنورِ وجهك وادخلنی فی الصالحین

واحشرنی مع المتقین من الفقراء والمساکین العارفین
والسالکین۔ بفضلك استغیث یا مولنا رب العلمین
وصل وسلم علی خیر خلقك وحبیبك ونبیك
محمد وعلی آله واصحابه اجمعین آمین آمین
برحمتك یا ارحم الراحمین۔ فقط

الفقیر الی الله

سید صبغة الله

۹ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ روز پنجشنبه